# سودی بینکاری کے فلسفہ 'اسلامی متبادل' کا جائزہ

زاہد صدیق مغل

**وضاحت:** زیر مطالعہ مضمون کا مقصد ہرگز یہ نہیں کہ مسلمانوں کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنے کی فکر وسعی نہیں کرنا چاہئے، بلکہ یہ مضمون مسائل حل کرنے کی مروجہ غالب حکمت عملی کی غلطی واضح کرتا ہے۔

مسلم دنیا میں مغربی فکر و فلسفے اور سرمایہ دارانہ اداروں کے خلاف جو رد عمل سامنے آئے انہیں تین عمومی گروہوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- اولاً راسخ العقیدہ علماء کرام کا طبقہ جو سرمایہ داری کو ایک مکمل مگر جاہلی نظام زندگی کے طور پر پہچان کر اسے کلیتاً رد کرتا ہے اور احیائے اسلام کیلئے اسکا مکمل انہدام ضروری تصور کرتا ہے
- دوئم وہ جدیدیت پسند (modernist) گروہ جو مغرب کو اصل اسلام گردان کر اور اسلامی تاریخ وعلمیت کو رد کر کے اسلام کو مغربی ادرشوں پر منطبق کرنا یعنی westernization of Islam چاہتا ہے، اور
- سوئم وہ ترمیمیت پسند (revisionist) مفکرین جنکے خیال میں مغرب اور اسلام میں اصولی اور بنیادی نوعیت کی مماثلت ہے اور جو سرمایہ دارانہ اداروں کو غیر اقداری اور فطری تصور کرتا ہے۔ یہ گروہ اسلامی تاریخ وعلمیت کو رد نہیں کرتا مگر اسکی ایسی تعبیر بیان کرتا ہے جو مغرب کو اپنے اندر سمو سکے۔ یہ طبقہ مغرب اور اسلام کے درمیان مفاہمت ممکن سمجھتا ہے اور اسی لئے یہ 'مغرب میں جو اچھا ہے وہ لے لو اور جو برا ہے اسے چھوڑ دو' کے فلسفے پر عمل پیرا ہو کر سرمایہ دارانہ اداروں میں چند جزوی اور عملی (operational) ترمیمات واصلاحات کے ذریعے انکا اسلامی متبادل تیار کرنا ممکن سمجھتا ہے۔ چنانچہ یہ مفکرین ہر سرمایہ دارانہ ادارے اور مظہر کا اسلامی اور ایمانی متبادل پیش کرتے ہیں جسکی واضح ترین مثالیں اسلامی جمہوریت، اسلامی معاشیات وبینکاری، اسلامی ٹی وی، اسلامی سائنس وغیرہم ہیں۔ یہ گروہ پورے خلوص کے ساتھ Islamization of west کی شعوری حکمت عملی میں مصروف ہے

اس تیسرے گروہ کی حکمت عملی پر جب کبھی اصولی تنقید کی جائے تو اس تنقید کا کوئی علمی جواب دینے یا اپنی اصلاح کرنے کے بجائے 'اچھا تو آپ اسکا قابل عمل متبادل لائیے' کا مطالبہ جڑ دیا جاتا ہے اور اگر فی الفور یہ مطالبہ پورا نہ کیا جائے تو یہ گروہ اپنی غلط حکمت عملی پر کاربند رہنے کو ہی اپنی فتح اور اسلام کی اصل خدمت فرض کرتا ہے۔ مغرب سے واقفیت کے اعتبار سے ترمیمیت پسند گروہ کو تین طبقات میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

- ☆ ایک وہ جو سرمایہ دارانہ نظام زندگی کی حقیقت سے واقف ہی نہیں
- ☆ دوئم وہ جو کسی حد تک اس سے واقف تو ہے مگر اسے حق اور اصولاً اسلام کے مطابق سمجھتا ہے
- ☆ سوئم وہ جو کسی حد تک اس سے واقف بھی ہے اور اسے حق بھی نہیں کہتا مگر اسکے خاتمے کو ناممکن سمجھتا ہے

یہ تقسیم اس اعتبار سے اہمیت کی حامل ہے کہ یہ تینوں طبقے اپنے دلائل ذرا مختلف پیراؤں (shades) میں بیان کرتے ہیں اور انہیں سمجھنے کیلئے دلیل دینے والے شخص کا علمی وفکری پس منظر جاننا ضروری ہوتا ہے۔ اس مضمون میں ہم 'اسلامی متبادل' کے فلسفے کے مضمرات بیان کرنے کی کوشش کریں گے۔ چونکہ متبادل کا یہ مطالبہ سب سے زیادہ شد و مد کے ساتھ ماہرین اسلامی معاشیات اور مجوزین اسلامی بینکاری کی طرف سے اٹھایا جاتا ہے لہذا مضمون میں ہم بالعموم اسی گروہ کے تناظر پر گفتگو کریں گے۔ پہلے ہم 'اسلامی متبادل' کے فلسفے کا مفہوم بیان کر کے پھر اسکے مضمرات پر کلام کریں گے وما توفیقی الا باللہ

## ا۔ 'قابل عمل متبادل' کا مفہوم

دور حاضر میں قابل عمل (workable and practical) متبادل سے مراد یہ مطالبہ ہوتا ہے کہ 'موجودہ نظام زندگی کے اندر رہتے ہوئے' ایسا

انتظام کیا جائے جو اسکے تقاضوں کو اسلامی طریقے سے پورا کرے (مثلاً اسلامی بینکاری و جمہوریت وغیرہ)۔ اصلاً اس مطالبے میں جو بات کہی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ:

- دورحاضر کے تقاضے عین فطری اور حق ہیں
- یہ تقاضے کسی مخصوص تاریخ کی پیداوار نہیں بلکہ آفاقی ہیں
- لہذا نظام (life-world) اور تقاضے بہر حال یہی رہنے چاہئیں
- اسلام کو ان تقاضوں سے ہم آہنگ ہونا ہے، بصورت دیگر وہ قابل قبول نہیں ہوگا

ظاہر ہے یہ تمام مفروضے اور مطالبات باطل ہیں کیونکہ نہ تو دور حاضر کے تقاضے (مثلاً ترقی، معیار زندگی میں بدستور اضافہ وغیرہ) حق ہیں اور نہ ہی اسلام کو ان سے ہم آہنگ ہونا ہے، بلکہ حق یہ ہے کہ دور حاضر نے جو تقاضے پیدا کئے ہیں وہ تقاضے ہی باطل ہیں۔ ہمارا کام اسلام کی اصلاح کرنا نہیں بلکہ زمانے کی اصلاح کرنا ہے کیونکہ ہر دور کو اسلام کے ابدی اصولوں، تقاضوں اور اقدار سے ہم آہنگ ہونا ہوگا، یہی اصول میزان و معیار حق و باطل ہیں۔ یہ بات نہایت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام سے ماوراء اور اس سے باہر حق، خیر اور عدل کا کوئی تصور سرے سے موجود نہیں اور نہ ہی تعلیمات انبیاء کے علاوہ انکی تعیین کی کوئی بنیاد ہے۔ اسی طرح معاملہ یہ نہیں کہ اسلام بہت سے تصورات حق میں سے ایک حق ہے اور اسلام کا مقابلہ کسی دوسرے تصور حق سے ہے بلکہ نوعیت معاملہ یہ ہے کہ اسلام ہی واحد حق ہے اور اس سے باہر جو کچھ ہے وہ محض باطل اور جاہلیت ہے۔ لہذا اسلام کو کسی دوسرے نظام زندگی میں تلاش کرنا یا اسلامی تعلیمات کو کسی دوسرے نظام کی تعلیمات میں پہچاننا ایک غیر علمی روش ہے، چاہے یہ کوشش اسلامی جمہوریت کے نام پر کی جائے یا اسلامی بینکنگ و سائنس وغیرہ کے نام پر۔

## ۲۔ 'قابل عمل متبادل' کا تجزیہ

☆ **<u>معاملے کی صحیح تحقیق کے بغیر متبادل دینا:</u>** اس میں شک نہیں کہ امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا حل تلاش کرنا ضروری ہے مگر اس سے قبل جس علمی و فکری غور وفکر کی ضرورت ہے اسکا حق ادا کرنا بھی لازم ہے۔ مسائل کے حل سے پہلے انکی درست نوعیت اور تہذیبی پس منظر کو سمجھنا نہایت اہمیت کا حامل ہے، بصورت دیگر یا تو مسئلے کی تشخیص ہی غلط ہوگی اور یا پھر غلط اور لاتعلق علاج تجویز کر دیا جائے گا جیسا کہ اسلامی معاشیات کی مثال سے واضح ہے جہاں اسلامی ماہرین معاشیات بڑی حد تک نوعیت مسئلہ ہی سے بے خبر ہیں۔ اسلامی ماہرین معاشیات پر (۱) سرمایہ دارانہ عمل اور (۲) سوشل سائنسز کا اس عمل سے تعلق نیز (۳) بینکاری نظام میں جاری وساری نظام ترسیل زر کی حقیقت واضح نہ ہونے کے باوجود اسکا اسلامی متبادل پیش کرنا اور اس متبادل کے حق ہونے پر بضد ہونا غیر علمی رویہ ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ مجوزین اسلامی بینکاری جس 'نظریہ بینکنگ' پر اسلامی بینکاری تعمیر کرنے کے خواہاں ہیں وہ نظریہ ہی سرے سے غلط ہے، یعنی یہ حضرات بینکاری نظام کی جس تفہیم کو بنیاد بنا کر اسلامی بینکاری کو ممکن سمجھتے ہیں اصلاً بینک وہ کام کرتا ہی نہیں۔ مثلاً پاکستان میں اسلامی بینکاری کے سرخیل مولانا تقی عثمانی صاحب اپنی نامور کتاب 'اسلام اور جدید معیشت و تجارت' میں بینکاری نظام کی حقیقت کے بارے میں فرماتے ہیں:

'بینک ایک ایسے تجارتی ادارے کا نام ہے جو لوگوں کی رقمیں اپنے پاس جمع کر کے تاجروں، صنعتکاروں اور دیگر ضرورت مند افراد کو قرض فراہم کرتا ہے' (ص: ۱۱۵)

'بینک جو خدمات انجام دیتا ہے ان میں یہ پہلو مفید بلکہ موجودہ معاشی حالات کے پیش نظر ضروری ہے کہ وہ لوگوں کی منتشر بچتوں کو یکجا کر کے انہیں صنعت و تجارت میں استعمال کرنے کا ذریعہ بنتا ہے۔۔۔ لیکن ان بچتوں کو صنعت و تجارت میں مصروف کرنے کے لئے جو راستہ مروج بینکوں نے اختیار کیا ہے وہ قرض کا راستہ ہے۔۔۔۔ بینک کی حیثیت محض ایک ایسے ادارے کی ہے جو روپے کا لین دین کرتا ہے۔ یہ بچتیں اگر ہر شخص کی تجوری میں پڑی رہتیں تو ان سے صنعت و تجارت کے فروغ میں کوئی فائدہ حاصل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ فاضل دولت کا سست پڑا رہنا نہ شرعی اعتبار سے مطلوب ہے نہ عقلی اور معاشی اعتبار سے اسے مفید کہا جا سکتا ہے' (ص: ۱۳۳-۱۳۴)

مولانا کے اس اقتباس انکے نظریہ بینکنگ سے متعلق چند باتیں معلوم ہوئیں، انکے نزدیک:

۱۔ بینک ایک ایسا ادارہ ہے جسکا مقصد سرمایہ کاروں اور بچت کرنے والوں کے درمیان تعلق پیدا کرنا ہے، یعنی بینک اصلاً ایک زری ثالث (financial intermediate) ہوتا ہے

۲۔ بینک محض زر کی لین دین (exchange of money) سرانجام دینے کا ذریعہ ہے

۳۔ بینک جن مقاصد کو فروغ دیتا ہے وہ عین حق ہیں البتہ ان مقاصد کی تکمیل کیلئے وہ جن ظروف (مثلاً سود) کا استعمال کرتا ہے وہ ناجائز ہیں۔ لہٰذا ضمناً یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ اسلامی بینکاری درحقیقت سودی بینکاری کے مقاصد حاصل کرنے کا ہی ایک ذریعہ ہے، یعنی دونوں میں فرق مقاصد کا نہیں بلکہ طریقے کار کا ہے

درحقیقت بینکنگ کا یہ نظریہ علم معاشیات کے نیوکلاسیکل مکتبہ ہائے فکر سے ماخوذ ہے جسکے خیال میں معاشی لین دین میں زر ایک غیر فعال (neutral) سیال کے طور پر کام کرتا ہے، بینک بچتوں اور سرمایہ کاری میں توازن پیدا کرنے کا ایک ادارہ ہے یعنی یہ حضرات 'بچتیں سرمایہ کاری کا باعث بنتی ہے' (savings create loan model) پر یقین رکھتے ہیں۔ مگر علم معاشیات کے جدید خصوصاً پوسٹ کینیزین (Post Keyneysian) اور Circuitist مکتبہ ہائے فکر نظریات کے مطابق بینکنگ کا یہ نظریہ مغالطہ انگیزیوں پر مبنی ہے کیونکہ سرمایہ دارانہ زر فعال ہوتا ہے، یعنی:

☆ بینک تخلیق قدر کا ایک خودکار نظام ہے جسکا مطلب یہ ہوا کہ بینک زر کے لین دین (exchange of money) نہیں بلکہ بنا کسی عوض تخلیق زر (creation of moeny out of nothing) کا مکلّف ہوتا ہے

☆ بینکنگ کا مقصد نظام زر کو دیگر اشیاء کی طرح مارکیٹ کی سطح پر متعین کرکے نظام پیداوار کو نظام زر کے تابع کرنا ہوتا ہے

☆ بینکنگ اصلاً 'قرضے بچتوں کا باعث بنتے ہیں' (Loans create savings model) کے اصول پر چلتی ہے اور چل سکتی ہے

اسی طرح مولانا پیپر کرنسی کو 'ثمن عرفی' فرض کرکے اسکا جواز فراہم کرتے ہیں جبکہ اصلاً یہ قرض پر مبنی زر (Debt money) ہے (۱)۔ درحقیقت موجودہ بینکاری نظام (بشمول اسلامی بینکاری) اسی دھوکے پر مبنی ہے جو سترھویں صدی کے گولڈ سمتھ لوگوں کی رقوم سے زیادہ رسیدیں شائع کرکے دیا کرتے تھے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ قدیم دور میں اس عمل کو 'دھوکا' سمجھا جاتا تھا جبکہ آج 'ترقی کی ناگزیر ضرورت' کہہ کر قانونی جواز عطا کردیا گیا ہے۔ چونکہ اس مضمون کا مقصد جدید نظریات کی روشنی میں بینکاری نظام کی حقیقت واضح کرنا نہیں لہٰذا ہم اس بحث سے سہو نظر کرتے ہیں (اسلامی بینکاری کا اس پہلو سے جائزہ لینے کیلئے ایک مستقل مضمون تحریر کرنے کا ارادہ ہے (۲))۔ پس ضروری ہے کہ متبادل تجویز کرنے والے شخص کی مغربی فکر و فلسفے، فلسفہ سائنس، سرمایہ دارانہ عمل اور سوشل سائنسز کی حقیقت پر گہری نظر ہو بصورت دیگر ہر کوشش ایک کے بعد دوسری غلطی کے مترادف ہوگی۔ جس طرح ضروری علوم اسلامیہ میں مہارت حاصل کئے بغیر جو بھی اجتہاد کیا جاتا ہے وہ اجتہاد کے بجائے فساد کا باعث ہی بنتا ہے اسی طرح سرمایہ دارانہ عمل کی حقیقت واضح ہوئے بغیر مغربی مظاہر کے متبادل تجویز کرنا خطرناک نتائج کا باعث بنتا ہے۔ اسلامی ماہرین معاشیات پر لازم ہے کہ یا تو نفس مسئلہ کی درست واقفیت حاصل کریں بصورت دیگر انہیں یہ سنہرا اصول یاد رکھنا چاہئے کہ 'جس بات پر مفتی کوئی حکم لگا رہا ہو اسکی صحیح صورت مسئلہ اسے پوری وضاحت کے ساتھ معلوم ہو۔ یہ بات فتوی کے بنیادی اصولوں میں سے ہے کہ مفتی کے سامنے جو سوال آئے اگر اسکی صورت پوری طرح اس پر واضح نہ ہو تو پہلے تنقیحات کرکے صحیح صورت حال کا علم حاصل کرے پھر جواب دے۔ یہ ایک بدیہی بات ہے جس پر دلائل قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے' (۳)۔

☆ **<u>باطل مسائل کا حل تلاش کرنے کی جدوجہد</u>:** تہذیبی اور فکری پس منظر سے بےخبر حکمت عملی کا ایک منفی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ایسے مسائل و تقاضوں کا حل اور متبادل تلاش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے جو سرے سے اسلامی معاشرے میں پیدا ہی نہیں ہوسکتے۔ ایسے جدید مگر باطل تقاضوں کی بناء پر ابھرنے والے پیش آمدہ مسائل کو 'اپنا' سمجھ کر نام نہاد اسلامی متبادل پیش کرنے کا مطلب ان غیر اسلامی تقاضوں کی آبیاری اسلام کے نام پر کرنا ہے۔ کسی باطل مطالبے کو پورا

کرنے کا کوئی جائز طریقہ پیش کرنا ہرگز اسلامی کام نہیں بلکہ اصل کام اس باطل تقاضے کو ختم کردینا ہے۔ جدید مفکرین کا اصل مسئلہ یہ ہے کہ پہلے وہ سرمایہ دارانہ نظام زندگی کے مقاصد کو غیر متنازع (non-controversial) سمجھ کر قبول کر لیتے ہیں پھر انکی آبیاری کے طریقے تجویز کرنے لگتے ہیں۔ بعینہ یہی معاملہ مجوزین اسلامی بینکاری کا بھی ہے۔ مگر جس طرح بدکاری کا کوئی جائز طریقہ تجویز نہیں کیا جا سکتا، اسی طرح حرص وحسد کے فروغ کا کوئی حلال طریقہ نہیں ہوسکتا۔ یہ بات تو طے ہے کہ اسلامی تاریخ میں سود اور سٹے کے بازار (یعنی بینک اور اسٹاک ایکسچینج) کا کوئی ذکر موجود نہیں، یعنی یہ ایک غیر اسلامی نظام زندگی کی پیداوار ہیں تو پھر اسکے اسلامی متبادل کا کیا معنی؟ قحبہ خانوں کو فقہی اصولوں کے مطابق ثابت کردینے کے بعد انہیں قحبہ خانوں کا اسلامی متبادل کہنا کم علمی کے سواء اور کچھ نہیں۔ حیرت ہے جو علماء بزرگان دین کے عروس کو ہندو تہذیب کا شاخسانہ قرار دیکر انہیں بدعت قرار دیتے ہیں وہ مغربی تہذیب و تاریخ سے برآمدشدہ اداروں کو اسلامی تعلیمات میں کیسے سمو لیتے ہیں؟ آخر وہ ان عروس کو ہندو تہذیب سے مقابلے کیلئے 'اسلامی متبادل' کے فلسفے پر جانچ کر کیوں نہیں اپنا لیتے جبکہ صوفیاء کرام نے تو انکے مقاصد بھی تبدیل کردیئے؟ سودی بینکنگ کا اسلامی متبادل پیش کرنے کا معنی یہ ہے کہ اسلام بھی ان مقاصد کو حاصل کرنے کا ایک ذریعہ بن سکتا ہے جو سودی نظام کے مقاصد ہیں۔

اسلام دشمن علمیت وتہذیبی تاریخیت سے نکلے ہوئے اداروں و تقاضوں کو اسلامیانے کیلئے 'حرام نہیں ہے' پر پرکھنے کا (غلط) اصول بے دریغ استعمال کیا جاتا ہے۔ مگر سوال یہ ہے کہ کسی عمل کے حرام نہ ہونے سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ شرعاً مطلوب و مستحسن ہے؟ مثلاً دنیا کا ہر مفتی یہی فتوی دے گا کہ 'طلاق دینا حرام نہیں ہے'، مگر اسکا یہ مطلب نہیں کہ اس بنیاد پر کوئی شخص طلاق کے فروغ کیلئے قریہ قریہ جا کر دفاتر کھول لے، عورتوں کو طلاق لینے پر اکسانے کیلئے نئے نئے طریقے ایجاد کرتا پھرے، انہیں طلاق کے بعد پہنچنے والے معاشی نقصانات کا مداوا کرنے کیلئے معاشی سکیمیں پیش کرے وغیرہ، اور جب اس سے پوچھا جائے کہ بھائی یہ کیا غضب کر رہے ہو تو وہ معصومیت سے جواب دے کہ 'جناب اسلام میں طلاق دینا اور لینا حرام کب ہے؟ میں تو مظلوم عورتوں کے حقوق کا تحفظ کر رہا ہوں'۔ اسی طرح اسلام میں پرتعیش زندگی گزارنا بہرحال 'حرام' نہیں بلکہ ناپسندیدہ (مکروہ) ہی ہے لیکن اسکا یہ مطلب کہاں سے نکل آیا کہ اسلامی ریاست کا مقصد معاشرے میں ایسے اداروں کا فروغ ہوگا جو لوگوں کو پرتعیش زندگی گزارنے کی ترغیب دیں گے؟ درحقیقت غیر اسلامی اداروں کو 'حرام نہیں ہے' کے فلسفے پر پرکھ کر اپنانے کا نتیجہ غیر اسلامی نظام کو اپنا اثر ونفوذ بڑھانے کا موقع دینا ہے۔ مثلاً مغربی ممالک (اور اب مسلم ممالک مثلاً کویت) میں مردے کی تجہیز و تدفین کے انتظامات کا طریقہ یہ نہیں کہ سب عزیز و اقارب اور اہل محلّہ وغیرہ ملکر اس میں حصہ لیں جیسا کہ ہمارے یہاں کا معمول ہے بلکہ وہاں یہ کام چند 'ویلفیئر ادارے' سرانجام دیتے ہیں، جسکا طریقہ کار یہ ہے کہ کسی شخص کے مرنے کے بعد کوئی 'ذمہ دار' شخص اس ادارے کو فون کرتا ہے اور ادارے کے اراکین میت اپنے ساتھ اٹھا لیجاتے ہیں اور تدفین کی جگہ اور وقت کی اطلاع میت کے کسی قریبی عزیز کو بذریعہ فون دے دیجاتی ہے کہ اگر اس کے پاس 'فرصت کے چند لمحات' میسر ہوں تو قبرستان چلا آئے، بصورت دیگر اسے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ادارہ اسکے بغیر بھی تدفین کا کام سرانجام دے دیگا۔ کیا اسلامی طرز معاشرت میں ایسے 'ولفیئر اداروں' کے ابھرنے کی امید کی جاسکتی ہے؟ ہرگز نہیں کیونکہ ایسے ادارے تو صرف ایسی ہی معاشرت میں پنپ سکتے ہیں جو انفرادیت پسندی (individualism) کی انتہا کو چھو چکے ہوں۔ تو ایک ایسا مذہب جو پڑوسیوں کے بے شمار حقوق ادا کرنے کی معاشرت قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہو اسکے اہل فکر حضرات افراد کی اصلاح کر کے اسلامی معاشرت ممکن بنانے کے بجائے اگر تجہیز و تدفین کا 'سستا انتظام' کرنے کا کوئی ادارہ کھول کر یہ سمجھنے لگیں کہ ہم کوئی 'اسلامی کام' سرانجام دے رہے ہیں تو اسے اسلام کے نام پر مذاق کے علاوہ اور کیا کہا جائے؟ دیکھئے کہنے والا یہاں بھی کہہ سکتا ہے کہ 'جناب اس سارے عمل (یعنی مردے کی کارپوریٹائزیشن) میں حرام کیا ہے'؟ ظاہر ہے دنیا کا کوئی مفتی اسے حرام نہیں کہہ سکتا مگر یہ سب پر واضح ہے کہ ایسے اداروں کو اسلامی جواز فراہم کرنے کا مطلب اسلام کے نام پر ایسی معاشرت پروان چڑھانا ہے جہاں صلہ رحمی سرے سے کوئی قدر ہی نہ ہو۔ اسی طرح مغربی مادی ترقی کے تقاضوں پر مبنی معاشرت میں 'جدید عورت' کے 'جدید کردار' کو اسلامی تعلیمات میں سمونے کی فکر اسلامی معاشرت و خاندان کو تباہ و برباد کرتی چلی جارہی ہے۔ جب اس سے بھی کام نہیں چلتا تو 'جدید سکالرز' ان اسلامی تعلیمات ہی کو سرے سے رد کر دیتے ہیں جو اختلاط مرد و زن کی خدائی حدود کا تعین کرتی ہیں۔ پس جاننا چاہئے کہ اسلام کا کام باطل تقاضوں کو پورا کرنا نہیں

بلکہ انہیں نیست و نابود کرنا ہے۔ دراصل حکمت عملی کی تشکیل میں اصل سوال یہ نہیں ہوتا کہ 'کیا حرام نہیں' ہے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ 'شریعت کا مدعا کیا ہے'، شریعت کا مقصد کس قسم کی انفرادیت و معاشرت کا فروغ ہے۔ معاشرتی و ریاستی پالیسیاں 'مطلوب' کے معیار سے طے پاتی ہیں نہ کہ 'عدم حرمت' سے، کیونکہ عدم حرمت کا اصول تو کم از کم (bare-minimum) کا فلسفہ ہے جس کے ذریعے ہرگز بھی کوئی مثبت تبدیلی نہیں لائی جاسکتی بلکہ اسکا لازمی نتیجہ کسی دوسرے نظام کے سامنے پسپائی (retreat) اختیار کرنا ہوتا ہے۔ عدم حرمت کا فلسفہ صرف 'کیا نہیں کرنا' بتاتا ہے جب کہ کوئی اصولی اور مثبت تبدیلی لانے کیلئے 'کیا کرنا ہے' طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

☆ **مقاصد سے سہو نظر کرنے کی غلطی:** موجودہ دور کے باطل مسائل کا اسلامی حل تلاش کرنے کی ایک اہم وجہ 'کل' کے بجائے 'جزو' کی بنیاد پر فتوی دینا ہے۔ اسلامی مفکرین ہر مغربی ادارے کو اسکی کلیت (totality) سے علیحدہ کر کے جزوی مماثلتوں کی بناء پر اسلام اور مغرب میں مطابقت پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جسکی مثالیں جمہوریت و معاشیات وغیرہ کی اسلام کاری ہے۔ معنویت کسی شے کی کلیت میں ہوتی ہے اور جب اسے اجزاء میں توڑ کر دیکھا جائے تو اسکی معنویت اوجھل ہو جاتی ہے۔ اتنا ہی نہیں بلکہ کسی 'کل' کو نظر انداز کر کے اسکے ایک 'جزو' کی بنیاد پر فتوی دینے کا مطلب اس 'کل' کو بحیثیت مجموعی قبول کر لینا ہوتا ہے، یعنی 'کل' تو بہر حال ٹھیک ہے البتہ اس میں چند جزوی اصلاحات کی ضرورت ہے۔ اسلامی مفکرین لبرل معاشی و سیاسی تنظیم (یعنی مارکیٹ اور جمہوریت) کو ان کے مقاصد سے علی الرغم محض غیر اقداری اور مجرد ساخت (technical operational processes and structures) کے طور پر پہچاننے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ فرض کرتے ہیں کہ یہ ادارے اور ساخت آفاقی حیثیت رکھتے ہیں اور انکے ذریعے 'ہر قسم کے مقاصد' کا حصول ممکن ہے۔ ظاہر ہے علمی طور پر یہ ایک لغو مفروضہ ہے کیونکہ ساخت اور مقصد کا تعلق جسم و روح کی مانند ہے۔ چنانچہ یہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ اسلامی بینکاری کو جائز کرنے کیلئے اسلامی ماہرین معاشیات نے یہ عجیب و غریب فلسفہ تراشا ہے کہ اسلام میں جائز و ناجائز کا فرق طریقہ کار پر مبنی ہوتا ہے۔ اس فلسفے کی دلیل کیلئے عموماً اس قسم کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں، (۱) اگر جانور بسم اللہ پڑھ کر ذبح کیا جائے تو وہ حلال ٹھرتا ہے بصورت دیگر حرام، دیکھئے فرق صرف طریقے کا رکا ہے، (۲) اگر مرد و عورت دو گواہوں کی موجودگی میں چند بول پڑھ کر ایک دوسرے کو اپنا ئیں تو انکا رشتہ جائز ہو جاتا ہے بصورت دیگر زنا قرار پاتا ہے، دیکھئے یہاں بھی فرق صرف طریقے کا ہے۔ اہل علم حضرات پر ان مثالوں اور ان سے اخذ کردہ نادر اصول کی غلطی عین واضح ہے۔ پہلی مثال کا تعلق ایسے امور سے ہے جو حکمی یا معنوی ہیں نہ کہ حقیقی یا صوری، اور حکمی مسائل کی بناء صرف و صرف حکم ہوتی ہے، مگر سوال یہ ہے کہ معاشی تنظیم جیسے مسائل حقیقیہ کو اس پر قیاس کرنا کیسے درست ہوگا؟ دوسری مثال تو بالکلیہ غلط ہے کیونکہ شادی ہرگز زنا کا متبادل نہیں کیونکہ زنا کا مقصد محض شہوت زنی کرنا جبکہ شادی کا مقصد عفت و عصمت کی حفاظت، عمر بھر ساتھ نبھانے کا پرخلوص عہد، انسانی نسل اور نسب کی حفاظت کیلئے خاندانی زندگی کی ذمہ داریوں کو قبول کر کے صالح معاشرت کے فروغ کی کوشش کرنا ہے۔ شادی کا مقصد شہوت زنی نہیں یہ بات خود قران نے بیان فرمائی (نساء: ۲۵-۲۳، النور: ۳۲)۔ اگر شادی محض زنا کا متبادل ہے اور دونوں میں فرق محض طریقہ کار کا ہے تو متعہ بھی جائز ہونا چاہئے نیز اسلامی قحبہ خانے بنانے کی اجازت بھی دی جانی چاہئے۔ اگر یہ اچھوتا اصول شریعت اسلامی کی درست تعبیر ہے تو پھر زکوۃ بچانے کا یہ حیلہ بھی جائز اور قابل فروغ ہونا چاہئے کہ سال کے آخر میں چند روز کیلئے اپنی دولت بیوی کے نام کر کے پھر واپس لے لی جائے کیونکہ یہاں بھی طریقہ کار (process) شرعی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ چنانچہ یاد رکھنا چاہئے کہ اسلام میں اعمال کی صحت کا مدار محض انکی ظاہری صورت پر ہی نہیں بلکہ انکے مقاصد پر بھی منحصر ہوتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر فقہ کے مشہور قاعدے **الامور بمقاصدھا** (یعنی معاملات کو انکے مقاصد کے اعتبار سے دیکھا جائے گا) کا کیا معنی ہے؟ آخر اصول فقہ کی کتب میں مقاصد الشریعہ کی بحثوں کا تناظر کیا ہے؟ مقاصد کو پس پشت ڈال کر حرام کو حلال کرنے کی ترکیب نکالنا ہی **اصحاب السبت** کا اصل جرم تھا اور جسکی پاداش میں وہ سخت سزا کے مستحق ٹھرے۔

☆ **'اسلام دین ہے' کا غلط مفہوم:** 'اسلام دین یعنی نظام زندگی ہے' کا غلط طور پر یہ مفہوم سمجھ لیا گیا ہے کہ اسلام کے پاس چند ایسے ابدی اصول ہیں جنہیں کسی بھی ماورائے اسلام نظام زندگی میں برت کر اسے اسلامی بنایا جاسکتا ہے نیز اسلام ہر دور کے تقاضوں کے ساتھ چلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔

یہ مفہوم غلط ہے کیونکہ اسلام دین ہے کا اصل معنی یہ ہے کہ اسلام انسانی زندگی کوخود اپنے اصولوں اور اقدار پر اس طرح مرتب کرتا ہے کہ انسانی زندگی کا کوئی گوشہ اسکی گرفت سے باہر نہیں رہتا نہ یہ کہ اسلام دیگر نظامہائے زندگی میں فٹ ہوجانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اس غلط معنی کا مطلب یہ ہوا کہ اسلام کسی معین (definite) شے کا نہیں بلکہ چند اصولوں کا نام ہے اور وہ بھی ایسے مبہم کہ جن کی تطبیق کسی بھی نظام کے ساتھ کرنا ممکن ہے۔ یہ اسی غلط فہمی کا نتیجہ ہے کہ مسلم مفکرین موجودہ دور کے ہر مظہر کو اسلام سے ثابت کرنے کی فکر میں مبتلا رہتے ہیں، یعنی اگر آج کی دنیا جمہوریت پر فدا ہے تو وہ اسلام سے بھی جمہوریت نکال لاتے ہیں، اگر آج کا انسان حرص وحسد کے فروغ کیلئے کارپوریشن اور بینک چاہتا ہے تو انکے خیال میں اسلام بھی اسکا متبادل فراہم کرسکتا ہے، اگر آج کا انسان سائنس کو علم سمجھتا ہے تو انکے نزدیک یہ سائنس اسلام ہی کی عطا ہے، اسی طرح اس غلط مفروضے کی بناء پر اسلام کو کبھی سوشلزم اور کبھی لبرلزم سے منتھی کردیا گیا۔ بعینہ یہی غلطی اسلامی ماہرین معاشیات کو بھی لاحق ہوئی کہ بجائے اس کے کہ وہ بینکنگ وغیرہ کو مقاصد الشریعہ کے منہاج پر جانچ کر اسے رد کرکے اسلامی معاشرتی وسیاسی تنظیم سازی کی کوشش کرتے وہ اسکا اسلامی متبادل (parallel) پیش کرنے میں مصروف ہوگئے۔ ظاہر ہے باطل تقاضے پورا کرنے کا جو بھی حیلہ اپنایا جائے گا وہ بہرحال باطل مقاصد ہی کو فروغ دے گا اور اس بات کا احساس معاملہ فہم اسلامی ماہرین معاشیات کو بھی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ اسلام کامیاب انسانی زندگی کا اپنا ایک مکمل تصور رکھتا ہے جسکے اپنے مخصوص تقاضے ہیں اور اسلام اس تصور میں کسی غیر نظام اور اسکے تقاضوں کی آمیزش قبول کرنے پر تیار نہیں۔ موجودہ دور کے بہت سے باطل تقاضوں کے بارے میں اسلام اپنے متبعین سے 'صبر' کا تقاضا کرتا ہے۔ شادی کرنے کی استطاعت نہ ہونے کی صورت میں اسکا حل متعہ یا زنا کرنے کا شرعی طریقہ ایجاد کرنا نہیں بلکہ صبر اور روزے رکھنا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں بیان فرمایا گیا۔ عہد جدید کے جدیدیت پسند دانشوروں کا مسئلہ یہی ہے کہ وہ مغربی تہذیب، فلسفہ اور اداروں کے پیدا کردہ مسائل کا حل یا متبادل اسلام میں ڈھونڈنا چاہتے ہیں جب کہ اس کا حل صرف یہی ہے کہ اس تہذیب سے کامل برات کا اعلان کرکے اسے کفر قرار دیا جائے، اس کفر کے خاتمے کے لیے ہر سطح پر ہر قسم کی جدوجہد حالات وزمانے کی رعایت کو ملحوظ رکھتے ہوئے مستقل و مسلسل بنیادوں پر جاری وساری کی جائے اور افراد کو اس جدوجہد کیلئے تیار کیا جائے، بصورت دیگر متبادل دیتے دیتے دین کا چہرہ مسخ ہوجائے گا۔

متبادل (۴) کی یہی تلاش سعودی عرب کے علماء اور مصر کے علامہ یوسف قرضاوی جیسے جلیل القدر عالم کو اس مقام پر لے گئی کہ انھوں نے متبادل کے اس فلسفے کے تحت نکاح المیسار کی اجازت دے دی جس میں نہ رخصتی ہوتی ہے، نہ شوہر پر نان نفقہ کی ذمہ داری اور نہ ہی شوہر بیوی کو گھر مہیا کرتا ہے۔ اس معاہدے کے مطابق بیوی کہیں اور رہتی ہے لیکن جب جنسی تقاضا درپیش ہوتا ہے تو میاں بیوی رازداری کے ساتھ کہیں جمع ہوجاتے ہیں۔ درحقیقت یہ معاہدہ متعہ کا متبادل ہے اور ظاہر ہے متعہ کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا، خواہ اسے نکاح المیسار کا نام دیا جائے یا کچھ اور۔ یوسف قرضاوی صاحب اور بعض سعودی علماء نے نکاح المیسار کو حلال کرنے کے لیے وہی نقطہ نظر اختیار کیا جو معیشت کے میدان میں سودی بینکاری کے متبادل کے طور پر اسلامی بینکاری کے نام پر سامنے لایا گیا۔ مسئلہ یہ درپیش تھا کہ سعودی عرب میں گھروں میں غیر ملکی عورتوں کو ملازمت کے آزادانہ اور وسیع مواقع مہیا کیے گئے، بجائے اس کے کہ علامہ یوسف قرضاوی صاحب اس طرز زندگی کی مخالفت کرتے اور غیر ملکی عورتوں سے خدمات لینے اور انھیں اپنے گھروں میں آزادانہ نقل وحرکت کے مواقع مہیا کرنے کی ثقافت کے خلاف آواز اٹھاتے، انھوں نے اس مخلوط معاشرت کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسئلے پر توجہ دی، مسئلے کو کل میں دیکھنے کے بجائے اس کا جزو دیکھا گیا۔ مسئلے کی بنیاد اور اساس ڈھانے کے بجائے اس اساس پر کھڑی ہوئی عمارت کے نقش ونگار درست کرنے پر توجہ دی گئی، کسی نے مغربی طرز زندگی اور عیش وعشرت کی سعودی معاشرت کو تنقید کا نشانہ نہیں بنایا۔ لوگوں کو متوجہ نہیں کیا گیا کہ اپنے گھروں کی حفاظت کرو، عورتوں کی تربیت نہیں کی کہ وہ عیش وعشرت کے بجائے گھر کے کام کاج خود کریں، گھروں میں غیر ملکی عورتوں کو کھلے عام ملازمت دینے کی مخالفت نہیں کی گئی، کسی نے یہ نہیں سوچا کہ مغربی طرز زندگی جو مغرب کو تباہ وبرباد کرچکا ہے جب سعودی عرب میں داخل ہوگا تو سعودی عرب کے اسلامی طرز زندگی، معاشرت، تہذیب وثقافت کو بھی تباہ کردے گا۔ مگر جب اس طرز زندگی نے سعودی خاندانی نظام کو تباہ کرنا شروع کیا تو اس مغربی طرز زندگی کو مسترد اور تباہ کرنے کے بجائے حیلوں کی بنیاد پر جواز کے فتوے دینے پر اکتفا کیا گیا۔ غیر ملکی عورتوں کی گھروں میں آمد سے جنسی تعلقات کے مسائل پیدا ہوئے اور اس مسئلے سے خانگی زندگی پر سنگین اثرات مرتب

ہونے لگے۔ ان ملازماؤں اور خادماؤں سے لوگ جنسی استفادہ چاہتے تھے لیکن معاشرتی مجبوریوں اور گھریلو دباؤ کے باعث ان عورتوں سے نہ نکاح کر سکتے تھے نہ انھیں دوسری شریک حیات کا درجہ دے سکتے تھے کیونکہ قانونی بیوی کے حقوق ایک نئی ذمہ داری میں اضافہ کرتے ہیں، یہ مرد چاہتے تھے کہ ان کی نجی خاندانی معاشرتی زندگی ان غیر ملکی عورتوں سے محفوظ رہے، ان کا ایمان بھی محفوظ رہے لیکن جنسی تقاضے بھی شرعی طور پر پورے ہوجائیں تاکہ زنا کاری کی تہمت سے بچا جائے۔ چونکہ مسئلہ مغربی تہذیب اور مغربی طرز زندگی کو اختیار کرنے سے پیدا ہوا تھا لہٰذا اس طرز زندگی کو ترک کر کے اس مسئلے کی بنیاد کو ڈھانے کے بجائے قرضاوی صاحب سے متعہ کا متبادل پوچھا گیا۔ علامہ یوسف قرضاوی صاحب نے متبادل کے جدید فلسفے کے تحت نکاح المیسار کی اجازت مرحمت فرما دی، گویا نکاح کا مقصد صرف جنسی تسکین ٹھرا۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پاکستان سے لے کر سعودی عرب تک مغربی فکر و فلسفے سے ناواقف مفکرین اور ترمیمیت پسند علماء اس قسم کے اجتہادات کر کے امت کی رہی سہی دین داری کو مغربیت میں سمونے کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

☆ **'عمل کے بعد نظریات' وضع کرنے کا رویہ:** اسلامی متبادل کے فلسفے کی ایک اہم ترین خامی کسی مخصوص مروجہ عمل کی توجیہہ فراہم کرنے کیلئے نظریات تیار کرنا ہے یعنی یہاں نظریئے کی بنیاد پر عمل کی تشکیل نہیں کی جارہی بلکہ عمل دیکھ کر نظریات بنانے کی کوشش کی جارہی ہے (theory is following practice in case of Islamic alternatives)۔ اس تناظر میں اگر اسلامی بینکاری کا جائزہ لیا جائے تو اسلامی بینکاری اصولی نظریات کے بجائے عذر اور رخصتوں پر مبنی متبادل ہے جہاں موجودہ بینکنگ کے طور طریقوں کو اسلامی لبادہ اوڑھانے کی کوشش کی جاتی ہے اور فقہ اسلامی کی روشنی میں ایسے معاہدات وضع کرنے کی سعی کی جاتی ہے جنکے ذریعے مروجہ بینکنگ کی زیادہ سے زیادہ خدمات اسلامی طریقوں سے روبہ عمل ہونا ممکن ہو سکے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر آئے دن مروجہ بینکنگ کی حرام قرار دی جانے والی خدمات کی لسٹ سکڑتی چلی جارہی ہے--- کبھی سودی بینکاری کی مانند راس المال کو تحفظ فراہم کرنے کیلئے capital protected fund وضع کرلئے جاتے ہیں، سود کی طرح نفع کی فراہمی کو یقینی بنانے کیلئے پیچیدہ نوع کے مرابحہ معاہدات وضع کئے جاتے ہیں اور تورق کے نام پر سودی قرضوں کی فراہمی کا متبادل پیش کیا جاتا ہے۔ اس مقام پر ایک سائل کے دل میں یہ پوچھنے کی تمنا مچلتی ہے کہ کیا اسلامی معاشیات و بینکاری 'اسلام سے معاشی نظام' اخذ کرتی ہے یا 'علم معاشیات پر اسلامی نظام' تعمیر کرنے کی (ناکام) کوشش کرتی ہے؟ ہر ذی علم اور فکر شخص پر واضح ہے کہ اول تا آخر اسلامی بینکاری اول الذکر کے بجائے موخر الذکر رویے پر مبنی ہے اور یہی وجہ ہے کہ اسلامی بینکاری عمل سے نظریات اخذ کرنے کی الٹی گنگا بہانے کا سبب بن رہی ہے۔

مروجہ اعمال کو جواز فراہم کرنے کیلئے نظریات وضع کرنے کے جنون کا ایک نتیجہ یہ ہے کہ کسی ایک مخصوص فقہ کے اصولوں کے اندر رہتے ہوئے مسائل کا حل تلاش کرنے کے معتبر اسلامی منہاج کو ترک کر کے چاروں مکاتب فقہ سے بے باکی کے ساتھ خوشہ چینی کرنے کی روش کو عام کیا جارہا ہے اور بعض اوقات تو متروک اقوال کو اختیار کرنے میں بھی جھجک محسوس نہیں کی جاتی۔ حیرت ہے جو علماء کرام دیگر مسائل فقہ میں اس کثیر الفقہ منہاج کے استعمال کو سختی سے منع کرتے اور اسے تلہی و ہوائے نفس سے تعبیر کرتے ہیں وہی علماء مختلف فقہوں سے اپنے مطلب کے اقوال جمع کر کے مروجہ بینکنگ معاہدات اور فائنانشل خدمات کے اسلامی متبادل تیار کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے اور اپنے اس طرز عمل کو 'کاسموپولیٹن (Cosmopolitan) فقہ' کا نام دیکر فخر کرتے دکھائی دیتے ہیں، فیاللعجب

☆ **تبدیلی کے عمل کا غلط تصور:** قابل عمل متبادل کا فلسفہ درحقیقت یہ مطالبہ کرتا ہے کہ پہلے ایک متبادل ادارتی صف بندی کا مکمل نقشہ بتاؤ، اگر ہمیں وہ نقشہ پسند آیا تو ہم اس میں داخل ہوجائیں گے، یعنی یہ فلسفہ انسانی زندگی کی تبدیلی کو کسی واقعے (event) کی مانند گردانتا ہے۔ گویا یہ مطالبہ معاشرتی و ریاستی ادارتی صف بندی کی تبدیلی کو مکان کی تبدیلی پر قیاس کرتا ہے کہ پہلے ایک متبادل مکان تعمیر کیا جائے تاکہ ہم ایک مکان چھوڑ کر دوسرے میں داخل ہوجائیں۔ ظاہر ہے یہ تصور غلط ہے کیونکہ معاشرتی و ریاستی تبدیلی کوئی واقعہ نہیں بلکہ عمل (process) ہوتا ہے جسکی وجہ یہ ہے کہ ادارتی صف بندیاں انسانی تعلقات سے علی الرغم کہیں سے نازل نہیں ہوجایا کرتیں بلکہ انسانی تعلقات کے نتیجے میں ارتقاء پزیر (evolve) ہوتی ہیں۔ انسانی تعلقات کے وجود میں آئے بغیر عمل تبدیلی کے چند بنیادی اصول تو وضع کئے جاسکتے ہیں مگر اسکی تفصیل پیش کرنا ہرگز ممکن نہیں ہوتا۔ مثلاً کارل مارکس نے لبرل سرمایہ داری پر تنقید

کے بعد سوشلزم کے نام پر سرمایہ داری کا جو متبادل نظریہ پیش کیا تو وہ چند اصولوں سے زیادہ اور کچھ نہ تھا (یہی وجہ ہے کہ جب سوشلزم کو عملاً برتا گیا تو اسمیں کئی ترمیمات کی ضرورت پیش آئی جسکی وجہ سے مارکسزم کی کئی تشریحات وجود میں آئیں)۔ لہذا مروجہ نظام زندگی کے خلاف بتائے جانے والے کسی 'درست اسلامی لائحہ عمل' پر یہ اعتراض کرنا کہ 'موجودہ دور میں یہ قابل عمل نہیں' کم فہمی کی علامت ہے۔ ظاہر ہے درست اسلامی لائحہ عمل کبھی بھی باطل نظام کے ساتھ نہیں چل سکے گا اس کیلئے باطل کو ختم کرنے کی حکمت عملی لازماً اپنانا ہوگی۔ انبیاء کا مشن حالات کے تقاضوں کے مطابق اپنی تعلیمات کو ڈھالنا نہیں تھا بلکہ دنیا کو اسلام کے پیچھے چلانے کیلئے لوگوں کو تبدیل کرنا تھا۔ اسلام سے باطل تقاضوں کی تکمیل کے کسی قابل عمل لائحہ عمل کی امید رکھنا غلط رویہ ہے، اسلام کا مقصد زندگی کا ایسا لائحہ عمل دینا ہے جسکے بعد لوگ جنت پہنچ جائیں، اب اسلام سے دنیاوی ترقی کا لائحہ عمل مانگنا نادانی کے سواء اور کچھ نہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ 'یہ لائحہ عمل کہیں کامیابی کے ساتھ چلتا ہوا نظر نہیں آتا' بھی بے معنی اعتراض ہے کیونکہ کسی لائحہ عمل کو اپنائے بغیر اس کی نتیجہ خیزی پر سوال اٹھانا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ پھر 'کامیابی کے ساتھ چلنے' سے کیا مراد ہے؟ اگر کامیابی سے مراد یہ ہے کہ مجوزہ لائحہ عمل سرمایہ دارانہ تقاضوں کو پورا کرنے کیلئے بر آور نہیں تو یہ اعتراض کرنے والوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ اسلام آزادی، مساوات اور ترقی کے جاہلانہ اصولوں پر مبنی معاشرت و ریاست کے تقاضے کبھی پورے نہیں کر سکتا۔ اسلام نے ان تقاضوں کی تکمیل کا وعدہ کیا ہی کب تھا؟ اسلامی لائحہ عمل کی کامیابی یہی ہے کہ افراد کے مرنے کے بعد انکے جنت پہنچنے کی امید زیادہ ہو جائے۔ ان اعتراضات کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص دردسر کے علاج پر یہ اعتراض کرے کہ اس سے پیٹ کا درد کیوں ٹھیک نہیں ہوتا اور اس دوا کو استعمال کئے بغیر ہی اسکا اثر ظاہر نہ ہونے کی شکایت کرنے لگے۔

پھر (۵) متبادل کا مطالبہ کرنے والوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ باطل کی نفی اثبات حق پر نہ صرف مقدم ہے بلکہ اسکی پیشگی شرط ہے۔ کسی شے کے متبادل کی فراہمی میں یہ چیز فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہے کہ معاشرے میں اس متبادل کی طلب کتنی شدت کے ساتھ پائی جاتی ہے اور شدت طلب کا انحصار اس بات پر ہے کہ لوگ کس قدر حاضر و موجود نظام سے نالاں ہیں اور اس سے برات چاہتے ہیں۔ متبادل کی نوبت تبھی تو آئے گی جب معاشرے کا ایک موثر طبقہ 'موجود' سے بیزار ہوگا۔ اگر آپ کسی کو معاشرے کے ایک طبقے کو موجود سے بیزار ہی نہ کرنے دیں گے اور متبادل نہ ہونے کے باعث چپ کراتے رہیں گے تو متبادل کی نوبت آئے گی ہی کیونکر؟ چنانچہ جس شے کی عدم موجودگی کو دلیل بنا کر ماہرین اسلامی معاشیات اپنے ناقدین کو خاموش کرانے کی کوشش کر رہے ہیں اس کا پایا جانا تو منحصر ہی اس بات پر ہے کہ معاشرے پر اثر انداز ہونے والے طبقے میں اسکے طلبگار پیدا ہو جائیں کیونکہ وہ بغیر طلب کے فراہم ہو جانے والی شے نہیں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ کسی چیز کی معاشرے میں بالکلیہ طلب نہ ہو مگر اس کی پیداوار کے ڈھیر لگ جائیں۔ اسکی پیداوار کیلئے جس قدر محنت کی ضرورت ہے وہ اسی وقت فراہم ہو پائے گی جب معاشرہ اسے اپنی ناگزیر ضرورت سمجھے گا۔ یہ عجیب منطق ہے کہ باطل کو باطل مت کہو، اسے قائم و دائم رہنے دو اور اسکے خاتمے کا سوال بھی مت اٹھاؤ کیونکہ اسے غلط کہنے کیلئے جو چیز پاس ہونی چاہئے اسلامی بینکاری کے ناقدین اپنے پاس نہیں رکھتے۔ اگر 'پہلے متبادل لاؤ' کی یہی منطق سودی بینکاری نظام کی شرعی حیثیت کی ابتدائے بحث میں اپنالی گئی ہوتی تو یقین مانئے اسلامی بینکاری نامی کوئی شے صفحۂ ہستی پر کبھی نمودار ہی نہ ہو پاتی۔ پس یاد رکھنا چاہئے کہ متبادل سے بات 'شروع' نہیں ہوگی بلکہ اس پر بات 'ختم' ہوگی۔

کسی حرام فعل کا متبادل پیش کرنے کے حق میں ایک دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ اللہ تعالی نے جہاں ربا کو حرام قرار دیا اسکے ساتھ ہی اسکا جائز متبادل یعنی بیع بھی بتایا جس سے ثابت ہوا کہ متبال بتانا ایک شرعی ذمہ داری ہے، مگر یہ استدلال محل نظر ہے۔ یہ دلیل اس مفروضے پر مبنی ہے کہ 'بیع ربا کی متبادل ہے' لیکن یہ مفروضہ درست نہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہاں متبادل سے کیا مراد ہے؟ یہ اصولی بات یاد رکھنا چاہئے کہ ایک شے کا کسی دوسری شے کا متبادل ہونا ایک اضافی (relative) امر ہے، یعنی ایسا ممکن ہے کہ ایک چیز ایک اعتبار سے تو کسی دوسری چیز کا متبادل ہو مگر کسی دوسرے اعتبار سے اسکا متبادل نہ ہو۔ مثلاً کھانے کے اعتبار سے مرغی بکرے یا گائے کا متبادل ہوسکتی ہے مگر مسئلہ قربانی یا دودھ کے حصول کیلئے انکی متبادل نہیں۔ پس یہی معاملہ یہاں ہے، بیع اور ربا میں بس اتنی ہی مماثلت ہے جتنی زنا و نکاح میں ہے۔ یعنی جس طرح زنا و نکاح بظاہر عمل مباشرت کے اعتبار سے ایک جیسے اعمال ہی دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے مقاصد و اثرات کے اعتبار سے دونوں میں زمین آسمان کا فرق ہے، بالکل اسی طرح بیع و سود بظاہر پیسہ کمانے کے اعتبار سے تو ایک جیسے اعمال ہی دکھائی

دیتے ہیں مگر اپنے مقاصد واثرات کے اعتبار سے دونوں میں کوئی مماثلت نہیں۔ اگر ربا و سود دونوں ایک دوسرے کے متبادل ہیں تو شارع کا ایک سے منع فرمانا اور دوسرے کی اجازت دینا ایک مہمل بات ثابت ہوگی۔ لہذا بیع کو ربا کا متبادل کہنا صرف انکی ظاہری مماثلت کی بنیاد پر استدلال کی عمارت رکھنا ہے۔ جب شارع زنا سے منع فرما کر نکاح کی اجازت دیتا ہے تو وہ زنا کا متبادل (parallel) نہیں بلکہ اپنی وضع کے اعتبار سے ایک مختلف (different) نوع کا حکم دیتا ہے۔ گویا نکاح وزنا ایک دوسرے کے متبادل نہیں بلکہ مخالف (opposites and negations) ہیں کہ جس معاشرے میں زنا عام ہو وہاں نکاح مفقود ہوتا چلا جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ربا و بیع میں بھی نسبت مخالفت کی ہے، یہی وجہ ہے کہ چونکہ اسلامی بینک سودی بینک کا متبادل فراہم کرنے کی کوشش کرتے ہیں لہذا انکے لئے حقیقی (genuine) بیع کو فروغ دینا ممکن ہی نہیں بلکہ وہ خود کو اس امر پر مجبور پاتے ہیں کہ ایک بیع کے اندر بہت سے پیچیدہ معاہدات ملا کر سودی معاملے سے قریب ترین معاملہ وجود میں لاسکیں۔ اسی لئے یہ بات وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ اسلامی بینکاری نہ تو آج تک کبھی عذر، رخصتوں اور حیلوں سے آگے بڑھی ہے اور نہ کبھی بڑھ سکے گی۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں اپنی دکان بند ہوتی نظر آتی ہے۔ ربا و بیع کو ایک ہی آیت میں بیان کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے متبادل ہیں بلکہ یہ انداز بیان مخاطب کی ذہنی خلفشار (کہ وہ دونوں کو ایک جیسا (انما البیع مثل الربا ) سمجھتا ہے ) کو سامنے رکھ کر اختیار کیا گیا ہے۔ مگر اللہ تعالی نے ایک کو حلال اور دوسرے کو حرام قرار دیکر اسے بتا دیا کہ یہ دونوں یکساں نہیں۔ اگر یہ دونوں ایک جیسے ہوتے تو انکا حکم جدا جدا رکھنے کی کوئی معقول وجہ سمجھ میں نہیں آسکتی۔ قرآن مجید میں کئی مقامات پر ایک ہی آیت میں کسی ایک شے کا حکم اور دوسری کی حرمت ایک ساتھ بیان کردی جاتی ہے مگر اسکا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ وہ دونوں ایک دوسرے کے متبادل ہیں۔ مثلاً اللہ تعالی نے فرمایا **ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی وینھی عن الفحشاء والمنکر والبغی** 'اللہ تعالی عدل، احسان وصلہ رحمی کا حکم دیتا ہے اور بے حیائی، بدی اور سرکشی سے منع کرتا ہے' (نحل: ۹۰)۔ کیا اس آیت کا معنی یہ ہونگے کہ عدل، احسان وصلہ رحمی بالترتیب (یا بلا ترتیب) بے حیائی، بدی وسرکشی کے متبادل ہیں؟ الغرض اسلام کا کام دنیا میں چلتے ہوئے نظاموں کے متبادل دینا نہیں بلکہ اپنا ایک الگ نظام دینا ہے۔

☆ **<u>اکابر علماء کے غیر متعلقہ اقوال کا حوالہ</u>:** حال ہی میں اسلامی بینکاری کے خلاف چھپنے والے علمائے کرام کے متفقہ فتوے کے جواب میں 'غیر سودی بینکاری' کے نام سے ایک کتاب چھپ کر منظر عام پر آئی جس کا پہلا باب ہی 'اسلامی متبادل' (خصوصاً بینکاری نظام کے متبادل) کے امکانات واہمیت سے بحث کرتا ہے۔ کتاب کے نہایت محترم اور فاضل مصنف نے اس باب میں بینکاری نظام کے اسلامی متبادل کے امکانات ثابت کرنے کیلئے یا تو پرانی دلیلوں کو بعینہٖ دہرادیا ہے (گویا ان دلیلوں کے خلاف آج تک کوئی تنقیدی بات کہی ہی نہ گئی ہو) اور یا پھر کوئی علمی دلیل قائم کرنے کے بجائے محض چند اکابر دیوبند علمائے کرامؒ کے اقوال نقل کر کے اپنے دعوے میں وزن پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ درحقیقت اسلامی بینکاری کے حق میں اپنے پیش رو علمائے کرام کے اقوال پیش کرنا محل نظر ہے کیونکہ انکے یہ اقوال اس دور پر محمول ہیں جب:

(۱) بینکاری نظام کی اصل حقیقت اور سرمایہ دارانہ نظام سے اسکا تعلق علمائے کرام پر مکمل طور پر واضح نہ ہوسکا تھا لہذا علمائے کرام نے اس کے متبادل کے امکانات پر فتوی صادر فرمایا، مگر آج ان بنیادی مباحث کی وضاحت کے بعد ان فتووں کو اپنے حق میں استعمال کرنا درست نہیں۔ یہ بات پورے وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ جن اکابر علمائے کرام کے اقوال محترم مصنف نے بطور دلیل پیش کئے ہیں اگر ان علمائے کرام کے سامنے یہ مباحث پیش کردیئے جاتے تو یقیناً وہ بینکاری کے اسلامی متبادل کا فتوی نہ دیتے کیونکہ ان علمائے کرام نے اسلامی بینکاری کا متبادل کسی دنیاوی منفعت، مال ومتاع یا شہرت کے حصول کیلئے نہیں بلکہ محض رضائے الٰہی کیلئے پورے خلوص کے ساتھ حق سمجھ کر بیان کیا[(۶)]

(۲) علمائے کرام نے حیلوں پر مبنی اسلامی بینکاری کی اجازت ابتداً اس امید پر دی تھی کہ وقت گزرنے کے ساتھ یہ اپنی اصل بنیادوں (مشارکت و مضاربت) کی طرف بڑھتی چلی جائے گی مگر طویل عرصے پر محیط تجربے سے ثابت ہوچکا کہ اسلامی بینکاری اپنی اصل بنیادوں کی طرف بڑھنے کے بجائے حیلوں کو ہی مستقل اصول بنانے پر مصر ہوتی چلی گئی ہے (فاضل مصنف کی یہ کتاب اس رویے کی ایک عمدہ اور واضح مثال ہے جس کا مقصد حیلوں کو عمومی و آفاقی اصولوں کے طور پر اپنانے کا سرتوڑ جواز پیش کرنا ہے)۔ مثلاً سٹیٹ بینک آف پاکستان کی سالانہ رپورٹ ۲۰۰۷ اور ۲۰۰۸ کے مطابق اسلامک

بینکنگ میں مختلف طرق تمویل کی شرح استعمال کچھ اسطرح ہے:

| سال | مشارکہ | مضاربہ | مشارکہ متناقصہ | مرابحہ | اجارہ | سلم | استصناع | دیگر |
|---|---|---|---|---|---|---|---|---|
| ۲۰۰۷ | 1.4% | 0.1% | 25.6% | 44.5% | 24% | 1.4% | 1% | |
| ۲۰۰۸ | 1.7% | 0.2% | 30.5% | 40.6% | 20.5% | 1.8% | 2.9% | 1.8% |

اس گوشوارے کو دیکھنے سے بالکل واضح ہے کہ اسلامی بینکوں میں اب تک نوے فیصد (90%) سے زیادہ کام اجارہ، مرابحہ اور مشارکہ متناقصہ سے چلایا جا رہا ہے جبکہ مجوزین اسلامی بینکاری کے بقول اصل اسلامی طرق تمویل یعنی مشارکہ اور مضاربہ کا فیصدی حصہ دو فیصد (2%) سے بھی کم ہے۔ پھر ایسا بھی نہیں کہ اس پورے عرصے کے دوران دنیا بھر میں اسلامی بینکاری کی مقبولیت میں اضافہ نہ ہوا ہو۔ مثلاً سٹیٹ بینک آف پاکستان ہی کے مطابق ملک بھر میں سال ۲۰۰۳ سے لیکر ۲۰۰۸ تک اسلامی بینکوں کے کاروبار کی شرح نمو درج ذیل رہی:

| متعلقہ تفصیل | شرح نمو |
|---|---|
| اثاثوں (Assets) کے حجم میں اضافہ | 2023% |
| کھاتوں (Deposits) میں اضافہ | 2500% |
| طرق تمویل کے استعمال اور سرمایہ کاری میں اضافہ | 1770% |
| اسلامی بینکوں کی برانچوں میں اضافہ | 2930% |

دیکھئے ایک طرف تو اسلامی بینکاری کے حجم میں اس قدر ہوش ربا اضافہ ہو رہا ہے مگر دوسری طرف یہ اپنی اصل کی طرف بڑھنے کے بجائے محض حیلوں بہانوں کو عام کرنے کی روش بدستور برقرار رکھے ہوئے ہے۔ ان حقائق کو نظر انداز کر کے آخر اسلامی بینکاری کے آہستہ آہستہ اپنے اصل کی طرف پلٹنے کی بابت امیدوں کے سبز باغ کسے دکھائے جا رہے ہیں؟

اس موقع پر ذہنوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی بینکاری کے مختلف طرق تمویل فروغ پانے کی وجہ کیا ہے؟ اس سوال کے دو ممکنہ جوابات ہو سکتے ہیں: اولاً یہ طرق تمویل تعلیمات شرع کے مطابق ہیں، دوئم یہ طرق تمویل سودی بینکاری نظام کی طرح با آسانی 'نفع کے نام' پر سودی معاملہ کرنے میں مددگار ہیں۔ ظاہر ہے اگر پہلا جواب درست ہوتا تو مرابحہ و اجارہ کی طرح شرکت و مضاربت بھی بڑے پیمانے پر فروغ پاتے مگر دنیا میں ایسا کہیں بھی نہیں (۷)۔ چنانچہ یہ اعداد و شمار چیخ چیخ کر یہ حقیقت بیان کر رہے ہیں کہ اسلامی بینکاری کی مقبولیت کی وجہ اسکی اسلامیت نہیں بلکہ عالمی سودی نظام میں ضم ہو سکنے کی صلاحیت ہے اور اسی لئے اسکے ذریعے وہی طرق تمویل فروغ حاصل کر رہے ہیں جو فرضی بیع اور نفع کے نام پر قرض پر سودی معاملات کرنے میں مددگار ہیں۔ اسلامی بینکاری سے متعلق درج بالا اعداد و شمار کوئی حادثہ یا سازش نہیں بلکہ عین اسکی اصل کا اظہار ہیں کہ اسلامی معاشیات و بینکاری محض سرمایہ داری کا ایک نظریہ ہے (جیسا کہ راقم نے اپنے مضمون 'اسلامی معاشیات یا سرمایہ داری کا اسلامی جواز' میں واضح کیا ہے اور جسکا اب تک کوئی اصولی جواب نہیں دیا گیا (۸))۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ اسلامی بینکاری درحقیقت سودی بینکاری کا متبادل کم اور تکملہ و مددگار (complement) زیادہ ہے کہ یہ اسکے شانہ بشانہ چلنے کی بھرپور صلاحیت رکھتی ہے۔ چنانچہ جن حالات، شرائط اور امیدوں کی بنیاد پر علماء کرام نے جواز اسلامی بینکاری کے فتوے دیئے تھے ایک طرف وہ حالات ہی اب مکمل طور پر بدل چکے ہیں اور دوسری طرف انکی شرائط بھی پوری نہ ہو سکیں، لہٰذا بدلے ہوئے حالات میں ان فتووں کو بطور دلیل پیش کرنا اصولاً درست نہیں رہتا (۹)۔

☆ **نظریہ ضرورت کا غلط استعمال:** اسلامی متبادل کے لئے ایک جواز 'نظریہ ضرورت' سے بھی فراہم کیا جاتا ہے جسکی واضح مثال اسلامی بینکاری ہے۔ چنانچہ یہ دعوی بار بار دہرایا جاتا ہے کہ اگر اسلامی بینکاری نامی کسی شے کو جائز نہ کہا گیا تو مسلمان براہ راست سود جیسے عظیم الشان گناہ میں ملوث ہو جائیں گے،

چونکہ دور جدید میں بینک کے بغیر گزارا نہیں لہٰذا اسلامی بینکاری وقت کی اہم ضرورت ہے چاہے یہ بینکاری حیلوں، عذروں اور رخصتوں کی آفاقیت پر ہی کیوں نہ مبنی ہو۔ یہ جواز شریعت کے مشہور اصول 'الضرورات تبیح المحظورات' (ضرورت کے وقت حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے) سے اخذ کیا گیا ہے۔ درحقیقت اس دلیل کے اندر تین دعوے کئے گئے ہیں: اولاً سود سے بچنا مقدم ہے، دوئم سودی بینکاری انسانی زندگی کا ایک لازمی جزو بن چکی ہے، سوئم لہٰذا اسلامی (یا غیر سودی) بینکاری کو جائز ماننا ہوگا۔ ان دعوؤں پر چند وجوہ سے غور کرنے کی ضرورت ہے:

۱۔ جس قدر یہ بات اہم ہے کہ امت کو سود کے گناہ سے بچایا جائے اس سے بدرجہا اہم بات یہ ہے کہ سود کو کسی چور دروازے سے داخل ہونے کا موقع نہ مل سکے، مبادا امت سود کے گناہ میں مبتلا ہو اور اسے خبر بھی نہ رہے جیسا کہ یہود و نصاریٰ کی تاریخ سے واضح ہے جنہوں نے بعینہ اسلامی بینکاری کی مانند حیلوں کی آڑ میں عملاً سود کو حلال کر لیا تھا۔ یہی وہ ذمہ داری ہے جو علمائے کرام کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ وہ امت مسلمہ کو اسلامی بینکاری کے خطروں سے آگاہ کرتے رہیں۔ نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ امت مسلمہ میں اسلامی بینکاری کے نام پر حلت سود کی حالیہ جدوجہد اور یہود و نصاریٰ کے سود کو جائز قرار دینے کی تاریخ میں حیرت انگیز مماثلت نظر آتی ہے (۱۰)۔ مختصر یہ کہ عیسائی یورپ میں سود کی سختی سے ممانعت تھی مگر ابتداً اسکا دروازہ ایک بیع کے اندر بیک وقت درج ذیل تین معاہدات کے ذریعے سودی نفع کو یقینی بنا کر کھولا گیا:

i۔ معاہدہ شرکت کرنا (Partnership contract)

ii۔ مستقبل کے غیر یقینی نفع کو ایک معین شرح نفع کے عوض بیچنا (Sale of a future uncertain profit)

iii۔ راس المال کو (بذریعہ بیمہ) تحفظ فراہم کرنا (Insurance contract)

مثلاً پہلے معاہدے میں زید ناصر کو 100 روپے قرض دیکر معاہدہ شرکت کرتا ہے۔ دوسرے معاہدے کے تحت زید ناصر کو 30 روپے سے زائد حاصل ہونے والے نفع کو 15 روپے فیس کے عوض بیچ دیتا ہے، اس طرح زید تیس روپے سے زائد ہونے والے تمام نفع سے دستبردار ہو کر 15 روپے کا نفع محفوظ کرتا ہے۔ تیسرے معاہدے کے تحت زید ناصر کو (یا کسی تیسرے ایجنٹ کو) 5 روپے سالانہ فیس (یا پریمیم) دیکر راس المال میں نقصان سے تحفظ حاصل کرتا ہے۔ چونکہ یہ تمام معاہدات بیک وقت کئے جارہے ہیں لہٰذا زید ابتدائے بیع ہی سے اپنے لئے 10 روپے کا سودی نفع یقینی بنا لیتا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اپنی انفرادی حیثیت میں یہ تینوں معاہدات عیسائی تعلیمات میں عین جائز سمجھے جاتے تھے مگر انکا مجموعی اثر قرض کی رقم پر سود کی طرح یقینی نفع کا حصول تھا۔ پندرھویں صدی میں جب 'تین معاہدوں پر مبنی شرکت' (The triple contract) کی یہ شکل یورپ میں عام کی جانے لگی تو راسخ العقیدہ عیسائیوں نے اسکی سخت مخالفت کی کیونکہ اسلام کی طرح عیسائی مذہب بھی سختی کے ساتھ سود کی تمام شکلوں کا مخالف رہا ہے۔ مگر یورپ میں سرمایہ داری اور سائنسی علمیت کے بڑھتے ہوئے اثرات کی وجہ سے آہستہ آہستہ حرمت سود کے قوانین ختم ہوتے چلے گئے اور 'تین معاہدوں پر مبنی شرکت' نے اس کی راہ ہموار کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ صد افسوس کہ آج اسلامی بینک بھی بیع مرابحہ، اجارہ و شرکت متناقصہ کے اندر فرداً فرداً جائز معاہدات جمع کر کے نفع کے نام پر سودی نظام کے مقاصد حاصل کر رہے ہیں۔ اس مماثلت پر مخبر صادق ﷺ کی یہ احادیث یاد آتی ہیں کہ میری امت وہ سب کام کر گذرے گی جو یہود و نصاریٰ نے کئے، نیز ایک ایسا وقت بھی آئے گا کہ جب لوگ بیع کے نام پر سود کو حلال کر لیں گے

۲۔ فقہ کا درج بالا قاعدہ (ضرورت کے وقت حرام شے بھی حلال ہو جاتی ہے) اصلاً اس شے کی حرمت پر دلالت کرتا ہے جسے یہ بوقت ضرورت حلال قرار دیتا ہے، یعنی جب اس اصول کے تحت کسی شے کو حلال کہا جاتا ہے تو اصلاً وہ شے حرام ہی ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو اسلامی بینکاری کو نظریہ ضرورت کے تحت جائز قرار دینے کا تقاضا یہ ماننا بھی ہے کہ اسلامی بینکاری اصلاً حرام ہی ہے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی بینکاری کے حامی اسے اصلاً جائز اور اصول شریعہ کے عین مطابق کہتے ہیں، اسکے جواز کیلئے دلیلیں وضع کرتے اور اسکے حق میں کتابیں لکھتے ہیں۔ تو اسلامی بینکاری کے جواز کیلئے اس اصول کا استعمال تضاد بیانی نہیں تو اور کیا ہے؟ ظاہر ہے اگر اسلامی بینکاری اصلاً جائز ہے تو اسے نظریہ ضرورت کا تقاضا کہنے کی ضرورت ہی کیا رہ جاتی ہے؟ اگر مجوزین اسلامی بینکاری یہ مان لیں کہ اصلاً اسلامی بینکاری 'غیر اسلامی' ہی ہے تو یقین مانئے کسی کو اسپر کوئی اعتراض نہ ہوگا۔ اصل مسئلہ یہی ہے کہ ماہرین

اسلامی معاشیات اسلام کے نام پر ایک غیر اسلامی شے کو کیوں فروغ دے رہے ہیں؟

۳۔ اگر بینکاری نظام سے واسطہ رکھنا واقعی کوئی 'حقیقی اور ناگزیر انسانی ضرورت' بن چکی ہے تو اس کے نتیجے میں اسلامی بینکاری ہی نہیں بلکہ سودی بینکاری بھی مجبوراً جائز قرار پائے گی، تو اس صورت میں اسلامی بینکاری نامی کوئی شے 'وضع' کرنے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے؟ مسلمان نظریہ ضرورت کے تحت سودی بینکوں سے بھی تعلقات استوار کر سکتے ہیں

۴۔ فرض کریں اگر واقعی کوئی حقیقی ضرورت آن ہی پڑی ہے تو 'ضرورت کی مقدار' کا تعین بھی ایک اہم مسئلہ ہے۔ ظاہر ہے سود کی حرمت کوئی عام مسئلہ نہیں بلکہ یہ نص قطعی سے ثابت ہے۔ اس درجے کی قطعی حرمت کو اسلامی بینکاری کے حیلوں کی آڑ میں حلت سے بدلنے کیلئے یقیناً ضرورت بھی نہایت شدید درجے تک پہنچی ہونی چاہئے۔ فقہاء کے ہاں نص قطعی سے ثابت حرام کو حلال میں بدلنے کیلئے ضرورت کی مقدار 'جان کے ضیاع کا سخت اندیشہ' ہوتا ہے۔ ظاہر ہے اسلامی بینکاری کے جواز کیلئے اس قسم کا کوئی 'حقیقی' خطرہ (کسی کو وہم ہو تو اور بات ہے) موجود نہیں لہذا اس اصول کے تحت اسے جائز کہنا کیسے درست ہو سکتا ہے؟

۵۔ اعداد و شمار کی روشنی میں یہ بات یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ کم از کم پاکستان میں بینکنگ اکثریت عوام کی حقیقی ضرورت نہیں، لہذا 'بینکنگ نظام سے تعلق رکھنا ایک ناگزیر مجبوری ہے' کا مفروضہ ہی محل نظر ہے۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کی سالانہ رپورٹس کے مطابق پاکستان میں کل کھاتہ داروں کا میزان درج ذیل ہے (آبادی کا تخمینہ اور کھاتہ داروں کا آبادی میں تناسب خود نکالا گیا ہے):

| سال | تمام بینکوں کے کل کھاتہ جات | آبادی کا تخمینہ (دو فیصد شرح نمو کے حساب سے) | کھاتے داروں کا آبادی میں تناسب (فی آدمی ایک کھاتہ کی اوسط سے) |
|---|---|---|---|
| 1998 | 29,772,355 | 140,000,000 | 21.3% |
| 1999 | 29,710,720 | 142,800,000 | 20.8% |
| 2000 | 28,409,347 | 145,656,000 | 19.5% |
| 2001 | 28,043,813 | 148,569,120 | 18.9% |
| 2002 | 28,606,883 | 151,540,502 | 18.9% |
| 2003 | 28,524,844 | 154,571,312 | 18.5% |
| 2004 | 27,383,337 | 157,662,739 | 17.4% |
| 2005 | 26,405,832 | 160,815,993 | 16.4% |
| 2006 | 26,595,585 | 164,032,313 | 16.2% |
| 2007 | 24,354,738 | 167,312,960 | 14.6% |
| 2008 | 24,815,675 | 170,659,219 | 14.5% |

اس گوشوارے سے چند باتیں معلوم ہوئیں:

i۔ پاکستان میں محض بیس فیصد سے بھی کم آبادی بینکنگ نظام (یعنی سود کے بازاروں) سے وابستہ ہے

ii۔ کھاتے داروں کا آبادی میں یہ تناسب پچھلی پوری ایک دھائی کے دوران کبھی بیس فیصد سے زیادہ نہیں رہا

iii۔ کل آبادی میں کھاتے داروں کا تناسب بدستور کمی کا شکار ہے، یعنی آبادی کا وہ حصہ جو کسی بھی درجے میں بینک سے منسلک ہے وہ کم ہوتا چلا جارہا ہے

iv۔ کھاتے داروں کا آبادی میں درج بالا تناسب اس مفروضے پر مبنی ہے کہ ہر شخص صرف ایک ہی اکاؤنٹ کا مالک ہے جبکہ ایسا ہرگز نہیں کیونکہ کھاتے داروں کی اکثریت ایک سے زیادہ اکاؤنٹ ہولڈر ہوتی ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک کھاتہ دار اوسطاً ڈیڑھ (ایک اعشاریہ پانچ) اکاؤنٹس کا مالک ہے، اس لحاظ سے آبادی میں کھاتے داروں کا تناسب تقریباًدس فیصد رہ جاتا ہے

v۔ گوشوارے میں دیئے گئے کھاتوں میں کئی لاکھ اکاؤنٹس وہ بھی شامل ہیں جو مختلف بینک دوسرے بینکوں میں کھلواتے ہیں، اگر انہیں کل کھاتوں سے منہا کردیا جائے تو کھاتے داروں کا یہ تناسب مزید کم ہوکر دس فیصد سے بھی کم رہ جائے گا

بینک کے مقابلے میں شیئرز کی خریدوفروخت (یعنی سٹے کے بازاروں) سے تو آبادی کے ایک فیصد سے بھی کم لوگوں کا تعلق ہے۔ اسی طرح ایک سروے کے مطابق پاکستان کی محض تین سے چار فیصد آبادی بیمہ کمپنیوں سے منسلک ہے (اس میں سے بھی اکثریت انکی ہے جو از خود نہیں بلکہ مختلف کمپنیوں میں نوکری کرنے کی وجہ سے غیر ارادی طور پر بیمہ پالیسی ہولڈر ہیں)۔ سوال یہ ہے کہ کیا آبادی کے اسقدر قلیل افراد کے عمل کو 'پورے ملک' کی ضرورت قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا آبادی کی وہ اکثریت جو بینکوں، اسٹاک ایکسچینج اور بیمہ کمپنیوں سے کوئی تعلق نہیں رکھتی زندگی کی نعمت سے محروم ہوچکی ہے؟ آخر اسلامی بینکاروں کو آبادی کی اکثریت کے بجائے 'محدود اقلیت' کے مسائل حل کرنے کی اتنی فکر کیوں لاحق ہے؟ پھر یہ بھی محض وہم ہے کہ بینکاری نظام کے بغیر کاروبار کرنا ممکن نہیں۔ دیکھئے پاکستان میں ہر سال عیدالاضحیٰ کے موقع پر جانوروں کی خریدوفروخت کے سلسلے میں کروڑوں اربوں روپے کے سودے بنا کسی بینکاری خدمات محفوظ طریقے سے عمل پزیر ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح چھوٹے کاروباری حضرات (مقامی دوکاندار، ٹیکسی اور رکشہ چلانے والے) بھی بینک اور اسٹاک ایکسچینج سے کوئی تعلق رکھے بغیر روزانہ اربوں روپے کی خریدوفرخت کرتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ سود اور سٹے کے نظام سے باہر جو اس قدر وسیع کاروبار ہورہا ہے اسلامی بینکاری انہیں غیر سرمایہ دارانہ بنیادوں پر منظم کرنے میں کیا کردار ادا کررہی ہے؟ کیا اسلامی بینکاری کاروبار کو سود اور سٹے کے عالمی نظام سے محفوظ کرنے کا باعث بن رہی ہے یا اسمیں ضم کرنے کا؟

۶۔ اس پہلو پر بھی تفکر کی ضرورت ہے کہ جس 'ضرورت' کے نام پر اسلامی بینکاری کی آڑ میں رخصتوں اور حیلوں کو عمومی جواز فراہم کیا جارہا ہے وہ ضرورت 'کس کی' ضرورت ہے۔ معمولی غور کرنے سے یہ بات سمجھی جاسکتی ہے کہ مرابحہ، اجارہ و شرکت متناقصہ جیسے معاہدوں میں ایک بیع کے اندر ایک سے زیادہ معاہدات جمع کرنا، جبری صدقہ لگانا وغیرہ گاہک کی نہیں بلکہ سودی بینک کے خمیر سے گندھے اسلامی بینک کی ضرورت ہے جو ہر حال میں 'یقینی نفع' کمانا چاہتا ہے [(۱۱)](#)۔ 'ایک بیع کے اندر ایک سے زیادہ پیچیدہ معاہدات جمع کرنا' ہی وہ بنیادی ہتھیار تھا جسے استعمال کرکے یہود ونصاری نے سود کا مذہبی جواز تلاش کیا تھا اور عین یہی روش اسلامی بینکاری نے بھی اپنا رکھی ہے۔ جس طرح پہلے یہ ہتھکنڈہ بینکوں کی ضرورت تھا اسی طرح آج بھی اسلامی بینکوں ہی کی ضرورت ہے نہ کہ گاہکوں کی اور پہلے کی طرح آج بھی 'کاروباری خطرے' کو ختم کرنے کے سواء اسکا کوئی دوسرا مقصد نہیں۔ خوب دھیان رہے کہ یہ ضرورت یوں ہی نہیں بلکہ شریعت کی اصولی تعلیمات ومقاصد کو پامال کرکے پوری کی جارہی ہے

۷۔ پھر ضرورت کے تحت کسی شے کو جائز قرار دینے میں ایک اہم پہلو 'مقدار جواز' کا بھی ہوتا ہے۔ فقہ کا قاعدہ ہے کہ ضرورتاً جائز قرار دی جانے والی شے بمقدار ضرورت ہی جائز ہوتی ہے نہ یہ کہ وہ اصلاً مطلوب یا حق سمجھ کر بھرپور انداز میں اختیار کرلی جائے۔ زندگی بچانے کیلئے حرام گوشت کھانے کی اجازت ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اب اس گوشت کے تکے اور کباب بنا کر کھائے جائیں، اس گوشت کی افزائش نسل کی فکر کی جائے، دوسروں کو بھی اس کے لذیذ ذائقے کی طرف متوجہ کیا جائے وغیرہ۔ چنانچہ اسلامی بینکاری سے منسلک 'عمائدین' کا رویہ نظریہ ضرورت کی بنیاد پر اسلامی بینکاری کے جواز کو سخت

مشکوک بنادیتا ہے۔کیا نظریہ ضرورت کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی بینکاری سے زیادہ سے زیادہ مادی فوائد حاصل کیے جائیں؟ اسکی کنسلٹنسی کے نام پر بڑی بڑی تنخواہیں اور مراعات حاصل کی جائیں؟ اسے خود اور لوگوں کو بھی معیار زندگی بلند کرنے کی خاطر اپنانے کا درس دیا جائے اور ٹی وی واخبارات پر اسکے اشتہارات دکھا دکھا کر لوگوں کو اسکی طرف متوجہ کیا جائے؟ اسکے فروغ کیلئے بڑی بڑی کانفرنسیں اور سیمینار منعقد کیے جائیں، دنیا بھر میں ہزاروں ادارے اسکی خدمت کیلئے وقف کردیئے جائیں؟ آخر ضرورت کی دھائی دے کر مقصد بنا لینے کا یہ دھوکہ کس کو دیا جارہا ہے (۱۲)؟

۸۔ یہ پہلو بھی دھیان میں رہنا چاہئے کہ نظریہ ضرورت کے تحت جائز قرار دی جانے والی شے کا مقصد اس غیر شرعی ضرورت کو ختم کردینا ہوتا ہے نہ کہ اسے زندگی کا لازمی حصہ بنا دینا۔فقہ کا قاعدہ ہے کہ **ما جاز لعذر بطل بزواله** (یعنی جو چیز عذر کی بنا پر جائز ہو، وہ عذر ختم ہوجانے کے بعد جائز نہیں رہے گی)، یعنی ضرورتاً جائز قرار دی جانے والی شے کا مقصد ضرورت کو 'ختم' کرنا ہوتا ہے نہ کہ اس ضرورت کو 'قائم ودائم' کردینا۔سوال یہ ہے کہ کیا ضرورت کے نام پر اسلامی بینکاری کے ذریعے جو حل پیش کیا جارہا ہے وہ اسلامی انفرادیت، معاشرت وریاست کے فروغ کا ذریعہ بن رہا ہے یا سرمایہ دارانہ نظام زندگی کے تقاضوں کو ہمیشہ کیلئے اسلامی زندگی کا حصہ بنا رہا ہے؟ کیا ایسی حکمت عملی کو بھی 'اسلامی' کہا جاسکتا ہے جو ہمیشہ کیلئے اسلامی تعلیمات کو معطل بنا دینے کی ترکیب ہو؟ کوئی بھی حکمت عملی تب ہی 'اسلامی' کہلانے کی مستحق ٹھرے گی جب وہ مقاصد اسلامی کے حصول کا ذریعہ بنے نہ یہ کہ سرمایہ دارانہ نظام زندگی کو نافذ العمل اور پختہ بنائے۔اگر ماہرین اسلامی بینکاری کے نزدیک نظریہ ضرورت اسی شے کا نام ہے تو پھر انہیں حجاب اور مردوزن کے اختلاط سے متعلق اسلامی احکامات پر بھی نظریہ ضرورت کے تحت اجتہاد کرنا چاہئے کیونکہ یہ بھی 'وقت کا تقاضا' ہے اور مسلمانوں کو اس معاملے میں بھی گناہ سے بچانے کی اشد ضرورت ہے۔ایک ایسی عورت جسکا کمانے والا کوئی محرم رشتہ دار نہ ہو اسے نوکری کرنے کی اجازت دینے کا مطلب یہ کہاں سے نکل آیا کہ women job promotion bureau (عورتوں میں نوکری کرنے کا شعور بیدار کرنے کا ادارہ) قائم کردیا جائے؟ اگر اسلامی بینکاری واقعی ضرورت کے نام پر وضع کی گئی تھی تو اسکا مقصد مسلمان معاشروں کو بینک کی ضرورتوں سے نجات دلانا ہوتا نہ کہ انہیں قائم کرنا اور فروغ دینا۔افسوس کہ مجوزین اسلامی بینکاری کو ضرورت کی نشاندہی کرکے اربوں روپے بنانے کی فکر تو لاحق ہے مگر اس ضرورت کو کیسے ختم کیا جائے اسکے بارے میں وہ یکسر خاموش ہیں۔معلوم ہوا کہ اسلامی بینکاری کے حق میں 'امت کی ضرورت' کا عذر کسی بھی اعتبار سے درست نہیں

۹۔ اگر بالفرض مان بھی لیا جائے کہ اسلامی بینکاری رخصت کی ایک شکل ہے تو کیا رخصتوں کے فروغ کو 'بطور پالیسی' اختیار کرنے کا مطلب اسلامی نظام زندگی سے دستبردار ہوجانے کے ہم معنی نہیں؟ کیا حکمت عملی اپنانے کا مقصد 'رخصتوں' اور 'نظریہ ضرورت' کو عموم بخشنا ہوتا ہے یا اصل مطلوب اختیار کرنے کی طرف راہ ہموار کرنا؟ اسمیں شک نہیں کہ تبدیلی نظام کی جدوجہد میں ایک مرحلہ ایسا ضرور ہوتا ہے جب 'اصل مطلوب سے کم تر' یعنی رخصتوں پر عمل کیا جاتا ہے مگر رخصتوں پر عمل کی اجازت کو جانچنے کا معیار بذات خود یہی ہوتا ہے کہ ان پر عمل کے نتیجے میں اصل مطلوب پر عمل کرنا ممکن ہورہا ہے یا نہیں۔اگر رخصتیں اصل مطلوب کو فوت کرکے اسکی طرف گامزن کرنے کے بجائے بذات خود مطلوب کے درجے میں اختیار کرلی جائیں تو وہ اپنا جواز کھو بیٹھتی ہیں کیونکہ یہ اپنا جواز از خود نہیں بلکہ حصول مطلوب کے آلے کی حیثیت میں ہی رکھتی ہیں۔اسی بنیادی فرق کو نہ پہچاننے کی بناء پر مجوزین اسلامی بینکاری مدارس میں اختیار کردہ حیلے کو اپنے حیلوں کے حق میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مدارس میں اختیار کردہ حیلہ بے شمار 'اصل شرعی مقاصد' (مثلاً فروغ علوم دینیہ وغیرہ) کے حصول کا باعث بن رہا ہے جبکہ اسلامی بینکاری کے حیلے بالذات مقصود بن کر اصل مقصد کے حصول میں مزاحمت کررہے ہیں۔لہذا اسلامی بینکاری کے حیلوں کو مدرسے کے حیلے پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے

۱۰۔ ایک لمحے کیلئے مجوزین اسلامی بینکاری کی یہ بات مان لیتے ہیں کہ چونکہ مسلمانوں کی معاشی ترقی ایک ضرورت ہے اور بینک کے بغیر یہ ممکن نہیں لہذا اسلامی بینکاری بھی لازمی ٹھری۔ چلئے اگر اسلامی بینکاری 'مسلمانوں کی ترقی' ہی کو اپنا مطمع نظر بنا کر اس پر عمل پیرا ہوجاتی تو بھی 'مسلم قوم پرستانہ' تناظر میں ہی صحیح اسکے حق میں کچھ نہ کچھ عذر پیش کرہی دیا جاتا مگر یہاں تو یہ معاملہ بھی نہیں۔اگر واقعی اسلامی بینکاری کو مسلمانوں کی ترقی کی فکر ہوتی تو یہ زرعی وصنعتی شعبہ جات میں زیادہ سے زیادہ سہولت فراہم کرنے پر یکسو دکھائی دیتی، لیکن اسکا کیا کیا جائے کہ اسلامی بینکاری سے مستفید ہونے والوں میں سے

بہت بڑی اکثریت کا تعلق عمل پیداوار کے بجائے عمل صرف (consumer sector) سے ہے۔ پاکستان اسلامک بینکنگ سیکٹر ریویو (ص ۵۰) کے مطابق اسلامک بینکنگ انڈسٹری سے مختلف معاہدات کی مد میں قرضہ لینے والوں کا تناسب کچھ یوں ہے:

| متعلقہ شعبہ | شرح تناسب |
|---|---|
| کارپوریٹ (کمپنیاں) | 4.61% |
| ایس ایم ای (چھوٹے اور درمیانی کاروبار والا طبقہ) | 6.32% |
| زراعت | 0.37% |
| صارفین | 85.93% |

ان اعداد وشمار سے صاف ظاہر ہے کہ اسلامی بینکاری کو 'مسلمانوں کی ترقی' سے زیادہ 'اپنے نفع' میں دلچسپی ہے اور اسی لئے یہ (پیچیدہ معاہدات کے ذریعے) زیادہ تر قرضے عمل صرف کیلئے فراہم کرتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی بینکاری دین کے نام پر صرف کرنے والی معاشرت (consumer society) کو عام کر رہی ہے۔ کیا کوئی خدا ترس عالم اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر کہہ سکتا ہے کہ 'واقعی consumer society کا حصول ایک شرعاً مطلوب مقصد ہے'؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو پھر اسلامی بینکاری کے جواز میں اور کیا عذر باقی رہ جاتا ہے؟

☆ **حیلے بطور آلہ متبادل:** مجوزین اسلامی بینکاری یہ مان لینے کے باوجود بھی کہ اسلامی بینکاری حیلوں پر مبنی متبادل ہے شریعت میں بعض نوع کے حیلوں کے جواز سے اس بات بات پر اصرار کرتے ہیں کہ چونکہ اسلامی بینکاری شرعی حیلوں پر مبنی ہے لہذا یہ جائز ہے۔ اس مقام پر پہلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلامی تاریخ میں پہلی مرتبہ امت کو اتنے بڑے پیمانے پر حیلے اپنانے کی ضرورت کیوں آن پڑی ہے؟ جب مجوزین اسلامی بینکاری خود یہ بات مانتے ہیں کہ 'جہاں دوسرے طریقے ممکن ہوں وہاں محض حیلوں کو مستقل معمول بنانا کوئی اچھی حکمت عملی نہیں ہے' اسکے باوجود اعداد وشمار سے ثابت شدہ مستقل حیلوں پر مبنی کھربوں روپے کے مالی معاملات کرنے کی کیا 'ضرورت' آن پڑی ہے (۱۳)؟ اسکا سیدھا اور واضح جواب یہ ہے کہ چونکہ اسلام اور مغرب اصولاً دو متضاد نظریہ حیات ہیں لہذا ان میں اصولی مماثلت تلاش کرنا ناممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ مغربی شعائر کے اسلامی متبادل فراہم کرنے کیلئے حیلوں کا سہارا لینا اور انہیں مستقل اختیار کرنا لازمی امر ہے۔ پھر اگر ایک لمحے کے لئے مان بھی لیا جائے کہ اسلامی بینکاری میں جاری وساری حیلے حقیقی وجائز ہیں تب بھی سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا حیلوں کا مقصد کسی جائز، فوری وناگزیر ضرورت کو پورا کرنا ہوتا ہے یا انہیں بطور آفاقی ومستقل اصول اختیار کر لینا؟ اسلامی تاریخ میں ایسا کب ہوا جب حیلوں کی بنیاد پر 'انفرادی عمل' نہیں بلکہ کوئی معاشرتی 'ادارہ' (Institution) قائم کر دیا گیا ہو اور فقہاء کرام نے اسکی تصویب کی ہو؟ آخر انفرادی اعمال کو ادارتی صف بندی (اور وہ بھی ایک غیر اسلامی تہذیب سے برآمد شدہ) کے قیام کیلئے وجہ جواز کیسے بنایا جا سکتا ہے؟ لہذا اسلامی بینکاری 'نظام' میں رائج حیلوں کے حق میں فقہاء کرام کی عبارات پیش کرنا قیاس مع الفارق ہے۔

پھر یہ دعوی بھی محل نظر ہے کہ اسلامی بینکوں میں جاری حیلے جائز قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ مثلاً بیع مرابحہ کو لیجئے جس میں بینک کا اپنے گاہک کے ذریعے شے خرید کر اسکا مالک بننا محض 'خانہ پوری' کیلئے ہے۔ سوال یہ ہے کہ آخر بینک گاھک کو 'ہمیشہ' اس بات پر 'قانوناً مجبور' کیوں کرتا ہے کہ وہ بالآخر 'بینک' سے اور وہ بھی 'زیادہ قیمت' پر اصل شے ضرور خریدے گا؟ سچی بات یہ ہے کہ بینکنگ کا تو مقصد ہی 'زر سے زر' کمانا ہے، اور چونکہ اسلامی بینک بھی ایک بینک ہی ہے لہذا وہ بھی مجبور ہے کہ چند فرضی اور پیچیدہ قسم کے معاہدات کے ذریعے اس عمل کو ممکن بنائے، بصورت دیگر وہ ایک دن نہیں چل سکتا۔ کیا فقہائے کرام نے ایسے حیلوں سے منع نہیں فرمایا جنکا مقصد کسی حرام کو حلال کرنے کیلئے محض لفظی خانہ پوری اور فرضی معاہدوں کا استعمال کرنا ہو؟ اس مقام پر مجوزین اسلامی بینکاری احناف کے اس موقف سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر مصنوعی معاملہ ایسا ہے کہ اسکا کوئی اثر عملی طور پر ظاہر ہو رہا ہے جو اسے ربا سے ممتاز کر دے تو پھر وہ معاملہ جائز ہوگا۔

☆ پہلی بات یہ کہ مجوزین اسلامی بینکاری کسی ایک فقہ سے استدلال کرنے کے بجائے اپنی مرضی سے وہ اقوال اختیار کرتے ہیں جن سے انکا 'کام نکل سکے' اور یہاں بھی یہی معاملہ ہے، حالانکہ امام مالکؒ کا یہ قول بھی موجود ہے کہ چونکہ ایسا معاملہ مصنوعی طور پر وجود میں آیا ہے اور اصل مطمع نظر ربا کے مقاصد دوسرے طریقے سے اختیار کرنا ہے اسلئے مطمع نظر کی خرابی کی بناء پر اس معاملے کو جائز نہیں کہا جا سکتا خواہ شرعی شرائط پوری ہی کیوں نہ ہو رہی ہوں۔ درحقیقت امام مالکؒ کے اس موقف کے بجائے احناف کے موقف کو ترجیح دینے کی وجہ دلائل کی قوت نہیں بلکہ اپنا مقصد نکالنا ہے جیسا کہ مجوزین اسلامی بینکاری کے عمل سے عین واضح ہے کہ انہیں جہاں کسی فقیہہ کا کوئی قول اپنے مقصد کے مطابق مل جائے اسے اختیار کر لیتے ہیں۔ سوال کرنے والا یہ پوچھ سکتا ہے کہ اگر مطمع نظر کے بجائے محض ساخت کی درستگی ہی کافی ہے تو پھر 'اسلامی قحبہ خانوں' کو غلط کہنے کی وجہ کیا ہو سکتی ہے، طلاق دلوانے کے بزنس کو فروغ دینے میں کیا خرابی نظر آتی ہے جبکہ یہاں بھی مختلف فقہوں سے خوشہ چینی کر کے تمام شرعی شرائط پوری کی جا سکتی ہیں؟

☆ دوسری بات یہ کہ مجوزین اسلامی بینکاری کا احناف کے قول سے استدلال بھی محل نظر ہے وہ ایسے کہ ان مصنوعی معاہدات کے باوجود بھی شرعی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ بینک چاہے قرض دیگر معاملہ کرے یا فرضی بیع مرابحہ یا اجارہ کے ذریعے، ہر دو صورت میں وہ لازماً 'بنا کسی عوض قرض پر مبنی تخلیق زر' کا باعث بنتا ہے (۱۴)، لہذا مصنوعی معاملہ کرنا عمل عبث ہے۔

جملہ معترضہ کے طور پر ہی صحیح مگر اس مقام پر مجوزین اسلامی بینکاری کی اس غلط فہمی کا ازالہ کرنا بھی ضروری ہے کہ 'چونکہ اسلامی بینکاری قرضوں کے بجائے اثاثوں کی بنیاد پر معاملات کرتی ہے لہذا یہ فی الوقت دنیا میں آنے والے عالمی مالیاتی و بینکاری بحران سے محفوظ ہے'۔ یہ دعوی محض کم فہمی کی علامت ہے جس کی درج ذیل وجوہات ہیں:

☆ موجودہ مالیاتی بحران کا زیادہ تر اثر طویل المدت (long term) (دس، بیس یا اس سے زائد سال کے) قرضہ جات کے معاملات پر ہوا جبکہ اسلامی بینکاری کا زیادہ تر کاروبار قلیل المدت (short term) معاہدات پر مبنی ہے لہذا بحران کا اثر اس پر کم ہوا۔۔۔۔

☆ عالمی مالیاتی بحران کا اثر کس ملک یا انڈسٹری پر کتنا ہوتا ہے اسکا انحصار اس بات پر ہے کہ وہ ملک یا انڈسٹری عالمی مالیاتی نظام میں کتنی زیادہ حصہ دار ہے، یہی وجہ ہے کہ موجودہ عالمی بحران کا اثر سب ملکوں پر یکساں نہیں ہوا بلکہ اسکے زیادہ تر منفی اثرات یورپ، امریکہ و جاپان تک محدود رہے جبکہ چائنہ (جو لبرل زری پالیسی کے بجائے کنٹرول زری پالیسی پر یقین رکھتا ہے) وغیرہ اس سے محفوظ رہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو یہ واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی بینکاری کے عالمی بحران سے کم اثرات قبول کرنے کی وجہ اسکا اثاثوں پر مبنی معاہدات کرنا نہیں بلکہ فی الوقت عالمی نظام میں نہایت قلیل حصہ دار ہونا ہے۔ مثلاً پاکستان کی اسلامی بینکنگ انڈسٹری کے اثاثہ جات کا حجم پاکستان کی کل بینکنگ انڈسٹری کے اثاثوں کا محض چار فیصد ہیں (۱۵)۔ اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ پوری دنیا کے مالیاتی نظام کے سامنے اسلامی بینکاری کا حصہ چند فیصد سے زیادہ نہیں۔ ان حالات میں اسلامی بینکاری کا عالمی مالیاتی نظام کے بحران سے محفوظ رہنا کوئی اچھنبے کی بات نہیں۔ دریا میں طغیانی کے نتیجے میں آپ کے گھر کتنا پانی گھس آئے گا اسکا انحصار اس بات پر ہے کہ آپ نے دریا سے سیراب ہونے کیلئے پگڈنڈی بنا رکھی تھی یا آپ نہر کھود کر اپنے گھر لے آئے تھے، بعینہ یہی مثال عالمی مالیاتی نظام کے (مثبت یا منفی) اثرات قبول کرنے کی ہے۔

اس مقام پر یہ عجیب و غریب عذر پیش کیا جاتا ہے کہ 'اگر یہ حیلے نہ اپنائے گئے تو اسلامی بینکاری چل نہیں سکے گی'۔ سوال یہ ہے کہ شریعت نے ہمیں یہ حکم دیا ہی کب ہے کہ اگر زمانے کا ساتھ دینے کیلئے مجھے پامال کرنا پڑے تو کر جاؤ مگر باطل تقاضے لازماً پورے کرو؟ صاف سی بات ہے کہ اسلام باطل نظام کے مطالبے کبھی پورے نہیں کر سکتا اور نہ ہی اسلام سے اس چیز کی امید رکھنا کوئی معقول رویہ ہے کیونکہ اسلام نے اپنے ماننے والوں سے باطل تقاضوں کی تکمیل کا کبھی وعدہ نہیں کیا (۱۶)۔ اگر درست اسلامی اصولوں پر عمل پیرا ہو کر بینکاری ممکن نہیں ہے تو اسے بند کر دیجئے مگر خدارا اسلام کے نام پر کوئی غلط چیز تو نہ بیچئے۔ نیز جب مجوزین اسلامی بینکاری کے بقول بینکاری کے درست اسلامی طریقے موجود ہیں تو وہ حیلوں کے بجائے درست طریقوں کے استعمال اور فروغ پر اصرار کیوں نہیں کرتے؟ اسکی وجہ سوائے اسکے اور کیا ہے کہ ان 'درست طریقوں' پر عمل کر کے اسلامی بینکاری کے ذریعے 'اربوں روپے' کا نفع

کمانا ممکن نہیں رہتا؟ کیا آج دین اور پرچون کی دکان چلانا ایک ہی سطح کے کام بن گئے ہیں جہاں 'جیسا گاہک ویسا سودا' کے اصول کے علاوہ اور کوئی اصول کارگر ہی نہیں ہوسکتا؟ درحقیقت یہ عذر تو ایسا ہی ہے جیسے عام کاروباری حضرات کہتے ہیں کہ اگر ہم سامان بیچنے کیلئے تھوڑا بہت جھوٹ نہ بولیں تو آج کے دور میں کاروبار ممکن ہی نہیں۔ پھر متجددین کے اس اجتہاد کے بارے میں کیا خیال ہے کہ آج کے دور میں اگر اسلامی ریاستیں غیر مسلموں کو اپنے دین کی تبلیغ وتشہیر کی اجازت نہیں دیں گی تو غیر مسلمین بھی تبلیغ اسلام پر پابندی لگا دیں گے، لہذا ضروری ہے کہ مسلمان تبلیغ کفر کی اجازت دیں بصورت دیگر مسلمانوں کیلئے مشکلات پیدا ہوجائیں گی۔ نیز قتل مرتد کے قانون پر نظرثانی کرنا چاہئے، بصورت دیگر غیر مسلم ریاستیں بھی اپنے ہاں ایسے قوانین بنا کر تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر دیں گی وغیرہ۔ اسی نوع کی ایک مثال 'جدید دور' کے جدید تقاضوں کے مطابق 'جدید عورت' کے کردار کو 'اسلامی' بنانے کی فکر ہے۔ ظاہر ہے اس قسم کی دلیلیں اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتیں اور یہ محض مرعوبیت کا شکار غلامانہ ذہنیت کی عکاس ہوتی ہیں۔ موجودہ نظام کے اندر رہتے ہوئے درست اسلامی طریقوں پر عمل ناممکن ہونا کوئی اچھنبے یا پریشانی کی بات نہیں بلکہ ایسا ہونا عین لازم ومنطقی ہے کیونکہ اسلام کوئی رویہ نہیں جو کسی دوسرے نظامہائے زندگی کے اندر ضم ہوجائے بلکہ یہ بذات خود ایک مستقل نظام زندگی ہے جو کسی باطل نظام کا ساتھ نہیں دے سکتا۔ جن لوگوں نے 'اسلام دین ہے' کا غلط طور پر یہ مفہوم سمجھ لیا کہ اسلام ہر نظام اور دور کا ساتھ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے انہیں ہردم یہ فکر اور غم کھائے جاتا ہے کہ کسی طرح یہ ثابت کر دکھایا جائے کہ موجودہ دور کے ہر تقاضے کا حل اسلام کے پاس موجود ہے بصورت دیگر اسلام ناقابل قبول اور ناقابل عمل ٹھرے گا۔ مگر یاد رہے کہ قیام اسلام کیلئے ضروری ہے کہ باطل ختم ہو کیونکہ اسلام باطل کو ہٹا کر قائم ہوتا ہے 'باطل کے اندر' یا 'اسکے ساتھ' نہیں (۱۷)، یعنی یہ نہیں ہوسکتا کہ اسلام بھی آجائے اور باطل بھی قائم ودائم رہے۔ اگر اسلام بھی باطل نظام کے تقاضوں کی آبیاری کرسکتا ہے تو پھر باطل کو چھوڑ کر اسلام اپنانے کی ضرورت ہی کیا پڑی ہے؟ پس ہمارا کام باطل پر عمل ممکن بنانا نہیں بلکہ اسے ختم کرنا ہے۔

☆ **<u>مخالفین کو نظرانداز کرنے کی روش:</u>** 'قابل عمل متبادل' کا مطالبہ پیش کرنے والے مفکرین کا عمومی عملی رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنے مخالفین کی تنقید کو یا تو نظر انداز کرتے ہیں اور یا پھر سنی ان سنی کر کے اپنے تئیں اختیار کردہ 'درست طرز عمل' پر کارفرما رہتے ہیں۔ اسلامی ماہرین معاشیات بظاہر یہ عاجزانہ دعوی کرتے ہیں کہ ہمارے طرز عمل میں اگر کوئی خرابی ہے تو ہمیں مطلع کیا جائے ہم بہتری لانے کی سرتوڑ کوشش کریں گے، مگر عملاً پچھلے بیس سالوں میں اسلامی بینکنگ کے خلاف درجنوں کتابیں اور سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مضامین لکھے جا چکے ہیں مگر اسلامی بینکنگ کے ماہرین انہیں کوئی اہمیت نہ دیتے ہوئے دور حاضر کے تقاضے پورے کرنے پر پوری ڈھٹائی کے ساتھ کمربستہ اپنے سفر پر رواں دواں ہیں۔ یہی وجہ ہے جب کبھی مروجہ اسلامی بینکنگ کے بجائے کوئی دوسرا متبادل پیش کیا جاتا ہے تو اسلامی ماہرین معاشیات اسے 'ناقابل عمل' قرار دیکر رد کر دینے کو کافی سمجھتے ہیں۔ اس سے بھی آگے بڑھ کر اب اسلامی ماہرین معاشیات یہ کہتے ہیں کہ 'جناب ہمارے طریقہ کار پر تنقید کرنے کے بجائے کوئی قابل عمل متبادل تجویز کیجئے بصورت دیگر آپ تنقید کرنے میں اپنا وقت ضائع نہ کریں'۔ گویا جس عالم اور مفتی کے پاس کسی مسئلے کا متبادل اور وہ بھی سائل کے نزدیک 'قابل عمل کی صفت سے متصف' موجود نہ ہو اس سے فتوی دینے کا حق چھین لیا جانا چاہئے۔ اس انوکھے اصول کے مطابق ہمارے مدارس سے جاری کردہ ہزاروں فتوے یک قلم مسترد قرار پائیں گے، مثلاً برصغیر میں بریلوی، دیوبندی اور اہل حدیث مکاتب فکر کے متعدد علماء کرام نے جمہوریت اور سوشلزم کو اسلام سے متصادم قرار دیکر انکے باطل ہونے کا فتوی دیا لیکن انکا کوئی متبادل نہیں بتایا، تو اس اصول کے مطابق وہ تمام فتوے صدائے بازگشت قرار پائے۔ الغرض اس انوکھے اصول کی زد سے عالم اسلام کا کوئی مفتی نہ بچ سکے گا۔ یعنی اصول یہ ٹھہرا کہ کسی چیز کو حرام قرار دینے کا فتویٰ دینے سے قبل مفتی پر یہ فرض ہے کہ وہ اس کا متبادل بتائے، اگر اس کے پاس متبادل نہیں ہے تو وہ فتویٰ نہ دے کیونکہ دین باطل تقاضوں کو ختم کرنے نہیں بلکہ ہر چیز کا متبادل مہیا کرنے کے لیے آیا ہے۔ یہ نقطہ نظر 'اسلام دین ہے' کے غلط مفہوم اور اسکے نتیجے میں پیدا ہونے والی معذرت خواہانہ جدیدیت کا شاہکار ہے جو اصل شریعت پر عمل کرنے کے بجائے صرف رخصت پر انحصار اور اسکے شرعی حیلے اختیار کر کے رخصت پر قائم ودائم رہنے کا ابدی طریقہ مہیا کرتا ہے۔

اسلامی بینکنگ پر کی جانے والی علمی تنقید اور اپنی اصلاح سے نظریں چرانے کیلئے اسی نوع کا ایک اشکال یہ بھی وضع کرلیا گیا ہے کہ 'اسلامی بینکنگ

کے خلاف فتوے سے کام نہیں چلے گا، جب تک کوئی متبادل پیش نہیں کیا جائے گا اس وقت تک فتوے دینا عبث عمل ہے۔ تاریخ انبیاء میں بے شمار انبیاء ایسے گزرے کہ جن کے متبعین کی تعداد نہایت قلیل رہی، وہ اپنے مخاطبین کو منکرات سے روکتے رہے مگر امت کی غالب اکثریت باز نہ آئی، تو کیا اس کا مطلب یہ ہوا کہ معاذ اللہ وہ انبیاء حرام کا متبادل پیش کئے بغیر منکرات سے منع کرنے کا عبث کام کرتے رہے اور ان پر لازم تھا کہ امت کی آسانی کیلئے حرام تقاضوں کی تکمیل کیلئے شرعی متبادل پیش کرتے؟ دیکھئے تمام علماء کرام کا اجماعی فتوی ہے کہ آذان جمعہ کے بعد خرید وفروخت کرنا حرام ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ اس فتوے کے باوجود آذان جمعہ کے بعد بازار بند نہیں ہوتے اور لوگ پورے انہماک سے خرید وفروخت میں مصروف رہتے ہیں تو کیا اسکا معنی یہ ہے کہ یہ فتوی عبث ہے اور اس سے رجوع کر لیا جائے؟ اسی طرح تمام جید علماء کرام مخلوط تعلیمی اداروں کے خلاف فتوی دیتے ہیں، مگر اسکے باوجود آئے دن نئے نئے مخلوط تعلیمی ادارے وجود میں آرہے ہیں تو کیا اس بناء پر کہ علماء کرام نے اسکول، کالج و یونیورسٹیاں تعمیر نہیں کیں لہذا اب مخلوط تعلیم کی حرمت ختم ہو جانے کا فتوی جاری کر دیا جائے؟ بات یہ ہے کہ فی الوقت علماء کرام کے پاس احکامات صادر کرنے کی علمیت وصلاحیت تو موجود ہے البتہ ان صادر شدہ احکامات کو نافذ کرنے کیلئے مطلوبہ نظام جبر موجود نہیں اور یہی وجہ ہے کہ انکے دیئے گئے فتووں کے مطابق عمل دکھائی نہیں دیتا۔ ریاست یعنی نظام اقتدار درحقیقت دو اعمال (processes) کا نام ہے اولاً کسی مخصوص علمیت کے مطابق احکامات کے صدور اور دوئم انکے نفاذ کو ممکن بنانے کیلئے اداراتی صف بندی وجود میں لانا۔ چونکہ دور حاضر میں اجتماعی ریاستی فیصلوں کو علوم دینیہ کی سرپرستی حاصل نہیں رہی لہذا علماء کرام کے بہت سے فتوے بے اثر دکھائی دینے لگے ہیں۔ مگر فی الحال نفاذ احکامات کی استطاعت نہ ہونے کا یہ مطلب کس منطقی اصول سے نکل آیا کہ احکامات کا صدور بھی بند کر دیا جائے؟ اسلامی تاریخ کے تسلسل کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ خلافت راشدہ سے لیکر آج تک ایک بھی دن ایسا نہیں گزرا کہ جب صدور احکامات کا عمل معطل ہو گیا ہو۔ مزے کی بات یہ ہے کہ اسلامی بینکاری کے خلاف دیئے گئے فتووں کو 'متبادل کے بغیر کچھ نہیں ہوگا' کہہ کر نظر انداز کرنے والے علماء خودکش حملوں کے خلاف فتوے دینے میں نہایت گرم جوشی سے شامل ہوتے ہیں۔ کیا انکے فتووں سے خودکش حملے بند ہو گئے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو یہ فتوی کیوں جاری کیا گیا؟

پھر (۱۸) عصر حاضر کے جس مسلمان کیلئے 'قابل عمل اسلامی متبادل' فراہم کئے جا رہے ہیں اسکی ذہنی کیفیت اور قلبی حالت کو بھی سامنے رکھنا چاہئے۔ عہد رسالت مآب ﷺ میں جب شراب پر مکمل پابندی کا حکم آیا تو احادیث اور تواریخ کی کتب میں درج ہے کہ شراب کی ممانعت کا حکم ملتے ہی لوگوں نے شراب کے مٹکے توڑ دیئے اور مدینے کی گلیوں میں شراب بہہ رہی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں سے کسی ایک بھی صحابی نے رسول اللہ ﷺ سے شراب کا متبادل نشہ نہیں پوچھا اور نہ ہی کسی صحابی نے یہ سوال کیا کہ میں شراب کا کاروبار کرتا ہوں، اسی کی خرید وفروخت سے میرا رزق وابستہ ہے، میں بھوکا رہوں گا، کہاں سے کھاؤں گا، میرے بیوی بچے اور معیشت خطرے میں ہے وغیرہ۔ حرام کے لیے متبادل کا تصور بھی کسی صحابی رسول ﷺ کے ذہن میں نہیں آیا۔ اس کے برعکس عصر حاضر کے مسلمان یعنی جدید مسلم (Modern Muslim) کا حال یہ ہے کہ سپریم کورٹ نے پنجاب میں پتنگوں کی ڈوروں سے لوگوں کے مرنے، زخمی ہونے اور معذور ہو جانے کے سینکڑوں واقعات پر از خود کارروائی کرتے ہوئے پتنگ سازی پر پابندی لگا دی تو ہزاروں عورتیں اور مرد سپریم کورٹ کے فیصلے کے خلاف اسلام آباد میں سراپا احتجاج تھے کہ کاروبار بند ہونے سے ہم بھوکے مر جائیں گے لہذا حکم واپس لیا جائے، یعنی لوگ مرتے ہیں تو مریں۔ اب ایسے نفس و دنیا پرست مسلمانوں کی اصلاح کرنے کے بجائے دین کی اصلاح کر کے پتنگ بازی کے 'اسلامی طریقے' پیش کرنے کی فکر کرنا کہاں کی خدمت اسلام ہے؟

اصولی بات یہ ہے کہ مروجہ نظام کے تقاضے پورا کرنے کی جو بھی حکمت عملی اپنائی جائے گی وہ اسی نظام کی تصویب واستحکام ہی کا باعث بنے گی نہ کہ اسکے انہدام کا۔ لہذا ضروری ہے کہ 'اسلامی' شخصیت، معاشرت وریاست کے احیاء کی ایسی جدوجہد مرتب کی جائے جس سے موجودہ نظام زندگی (life-world) منتشر ہو نہ کہ مستحکم۔

اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں حقیقت حال سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے

نوٹس:

۱۔ اسلامی بینکاروں کو یہ مغالطہ ہے کہ چونکہ وہ قرض کے بجائے اثاثوں کی خرید وفروخت پر بینکاری کرتے لہذا اسلامی بینکاری بغیر کسی شے کے تخلیق زر کا باعث نہیں بنتی۔اسلامی بینکاروں کا یہ دعوی بذات خود انکی اس لاعلمی کا غماز ہے کہ زر کس طرح تخلیق ہوتا ہے۔درحقیقت fractional reserve banking کے ہوتے ہوئے یہ ناممکن ہے کہ اصل قدر سے زائد زرتخلیق نہ ہو، چاہے بینک قرضے کے اصول پر کام کریں یا اثاثوں کی لین دین پر

۲۔ Post Keynasian مکتبہ فکر کے خیالات کیلئے دیکھئے کتاب Monetary Economics: An Integrated Approach to Credit Money, Income, Production and Wealth نیز Circuit Approach کے مطالعے کیلئے دیکھئے The Monetary Theory of Production

۳۔ یہ اقتباس مولانا تقی عثمانی صاحب کی اسلامی بینکاری کے خلاف دیئے گئے فتوے کے جواب میں لکھی گئی کتاب 'غیر سودی بینکاری' سے اخذ کیا گیا ہے۔مولانا چند مثالیں پیش کرکے علمائے کرام سے شکایت کرتے ہیں کہ انہوں نے معاملے کی درست تحقیق کئے بغیر ہی اسلامی بینکاری کے خلاف فتوی دے دیا جبکہ یہ اصول فتوی کے خلاف ہے۔فرض کرتے ہیں کہ علمائے کرام سے چند 'جزوی تفصیلات' (اور بھی ایسی جنکا فتوے کی بنا سے براہ راست کوئی تعلق نہیں) کے بارے میں سہو نظر ہو گیا مگر خود مجوزین اسلامی بینکاری کا حال تو یہ ہے کہ وہ 'اصول' میں غلطی کے مرتکب ہو رہے ہیں اور انہیں اسکی خبر بھی نہیں

۴۔ نکاح المیسار سے متعلق یہ مثال 'ماہنامہ ساحل' کراچی سے اخذ کی گئی ہے

۵۔ مضمون کا یہ نکتہ جناب حامد محمود صاحب کے مضمون 'جمہوریت' سے اخذ کیا گیا ہے (سہ ماہی 'ایقاظ' اکتوبر ۲۰۰۳)

۶۔ اس مقام پر یہ نہ سمجھا جائے گویا اس بحث سے اکابر علماء پر نامکمل تحقیق کے بغیر فتوی دینے کا الزام عائد ہو جاتا ہے، حاشا وکلا۔درحقیقت تحقیق ایک 'عمل' کا نام ہے نہ کہ کسی 'واقع' کا جو فوراً سے وقوع پزیر ہو جاتا ہو۔اس بات کو اس مثال سے سمجھا جا سکتا ہے کہ ابتداً لاؤڈ سپیکر میں ادائیگی نماز کو جید علمائے کرام نے ناجائز کہا مگر جیسے جیسے تحقیق کا عمل آگے بڑھا ان جید علماء کے تلامذہ نے اپنے اساتذہ سے اختلاف کرتے ہوئے اسے جائز کہا۔ظاہر ہے نئی تحقیق کی روشنی میں نیا فتوی دینے سے نہ تو اکابرین پر کوئی الزام عائد ہوتا ہے اور نہ ہی انکا علم وفضل کم ہوتا ہے

۷۔ ایسا نہیں ہے کہ مختلف طرق تمویل میں حیلہ تمویل کے غالب استعمال کا رجحان شاید صرف پاکستان کے ساتھ خاص ہو بلکہ دنیا میں ہر جگہ اسلامی بینکاری کا یہی طریقہ کار ہے۔مثلاً احمد حسین صاحب کی تحقیق کے مطابق اسلامی بینکاری کے ایک بڑے چیمپئین ملک ملائشیا کے ایک بڑے اسلامی بینک کی ۱۹۹۹ میں طرق تمویل کے استعمال کی شرح کچھ اس طرح ہے:

| مرابحہ | اجارہ | مضاربہ | مشارکہ | قرض حسنہ |
|---|---|---|---|---|
| 91.55% | 3.41% | 0.47% | 0.52% | 2.63% |

Hussain Ahmad (2000), "Debt Financing", A Seminar paper on Islamic Banking and Finance, organized by the BIMB Institute of Research and Training Sdn Bhd

۸۔ دیکھئے ماہنامہ الشریعہ اگست تا اکتوبر ۲۰۰۸

۹۔ اس مقام پر یہ اشکال ذہنوں میں نہیں آنا چاہئے کہ یہ اعداد وشمار تو پوری اسلامک بینکنگ انڈسٹری سے متعلق ہیں، ہوسکتا ہے میزان بینک (جو براہ راست عثمانی فیملی کی نگرانی میں کام کرتا ہے) کے حالات ان سے قدرے مختلف ہوں۔درحقیقت میزان بینک پاکستان کی پوری اسلامک بینکنگ انڈسٹری میں سب سے بڑا حصہ دار ہے جسکی دلیل سٹیٹ بینک کے 'پاکستان اسلامک بینکنگ سیکٹر ریویو ۲۰۰۳ تا ۲۰۰۷' میں فراہم کردہ یہ اعداد وشمار ہیں:

| متعلقہ تفصیل | میزان بینک کا حصہ |
|---|---|

| | |
|---|---|
| 35.2% | تمام بینکوں کی ہر قسم کی اسلامک بینک برانچز |
| 36.6% | تمام اسلامی بینکوں کے کل اثاثے |
| 37% | تمام اسلامی بینکوں کے کل کھاتے |
| 32.4% | تمام اسلامی بینکوں کے طرق تمویل کا استعمال |
| 34% | تمام اسلامی بینکوں کی کل سرمایہ کاری |

ثابت ہوا کہ پاکستان میں اسلامک بینکنگ کا سب سے بڑا کھلاڑی (beneficiary) 'میزان بینک' ہے۔

۱۰۔ اس نکتے کی تفصیل کیلئے دیکھئے ساؤتھ افریقہ کے مدرسہ انعامیہ سے اسلامی بینکاری کے خلاف اور علمائے کرام کے حق میں جاری کیا گیا مقالہ "Riba in a new get-up"۔ یہ مضمون مدرسے کی ویب سائٹ www.al-inaam.com سے حاصل کیا جاسکتا ہے۔ زیر نظر مضمون میں 'نظریہ ضرورت' کی بحث میں بہت سے نکات اسی مضمون سے اخذ کئے گئے ہیں۔ عیسائی دنیا میں سود کی بتدریج حرمت کن حیلوں کی آڑ میں ختم کی گئی اور مذہبی پیشواؤں نے اس میں کیا کردار ادا کیا اسکی عمدہ تفصیل Tony کی کتاب Religion and the Rise of Capitalism میں دیکھی جاسکتی ہے

۱۱۔ اس اجمال کی تفصیل بھی Riba in a new get-up مضمون میں دیکھی جاسکتی ہے۔ مختصر وضاحت مضمون میں شامل کردی گئی ہے

۱۲۔ نوٹ نمبر ۱۳ میں دی گئی تفصیلات دیکھنے سے 'مقدار ضرورت' کی حقیقت خوب واضح ہو جاتی ہے

۱۳۔ دھیان رہے کہ 'حیلوں کی مد میں اربوں کھربوں روپے کے مالی معاہدات کرنا' اسلامی بینکاری پر کوئی الزام نہیں بلکہ عین حقیقت ہے۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کے جاری کردہ 'اسلامک بینکنگ بلیٹن بابت اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ کے مطابق اسلامک بینکوں نے مختلف طرق تمویل پر درج ذیل رقوم خرچ کر رکھی ہیں:

| مالیت اردو اعداد میں | رقم (ملین روپوں میں) | متعلقہ تفصیل |
|---|---|---|
| انسٹھ ارب چونسٹھ کروڑ | 59,640 | مرابحہ |
| تیس ارب سترہ کروڑ | 30,173 | اجارہ |
| چوالیس ارب اکیاسی کروڑ | 44,812 | شرکت متناقصہ |
| دو ارب چھیالیس کروڑ | 2,469 | مشارکہ |
| تیس کروڑ | 308 | مضاربہ |
| دو ارب چونسٹھ کروڑ | 2,649 | سلم |
| چار ارب چھبیس کروڑ | 4,268 | استصناع |
| صفر | 0 | قرض حسنہ |
| دو ارب پینسٹھ کروڑ | 2,650 | دیگر |
| **ایک کھرب چھیالیس ارب** | **146,969** | **کل میزان** |
| ایک کھرب چونتیس ارب | 134,625 (92%) | مرابحہ، اجارہ اور مشارکہ متناقصہ کا کل میزان میں حصہ |

بلیٹن کے مطابق اکتوبر تا دسمبر ۲۰۰۸ کے دوران اسلامی بینکوں کا کل اثاثوں پر آمدنی کا تناسب 7.9% رہا۔ اگر فرض کیا جائے کہ 'حیلہ طرق تمویل' کی درج بالا رقوم (جو اسلامی بینکوں کے کل اثاثوں دو کھرب چھتر ارب کا تقریباً پچاس فیصد ہے) پر اوسطاً 8% نفع رہا (جو یقیناً اس سے زیادہ ہوگا تب ہی تو بینک اس مد میں زیادہ رقوم خرچ کرتے ہیں) تو تین ماہ کے دوران حیلوں کی مد میں اسلامی بینکوں نے لگ بھگ دس ارب ستتر کروڑ روپے بنائے۔ کیا واقعی ضرورت اسی چیز کا نام ہے کہ کھربوں

روپے کا کاروبار چمکا کر اسپر اربوں روپے کمالئے جائیں؟ درج بالا گوشوارے میں سب سے مزے کی بات یہ ہے کہ اسلامی بینک 'قرض حسنہ' کی مد میں ایک ڈھیلہ بھی خرچ نہیں کرتے ۔کیا اس سے معلوم نہیں ہوجاتا کہ اسلامی بینکاری کے 'اصل مقاصد' کیا ہیں؟

۱۴۔اس نکتے کی تفصیلی وضاحت زیر مطالعہ مضمون کے دائرہ کار سے مطابقت نہیں رکھتی ،انشاءاللہ اسے ہم کسی دوسرے مضمون میں واضح کریں گے

۱۵۔ سٹیٹ بینک آف پاکستان کا جاری کردہ 'پاکستان اسلامک بینکنگ سیکٹر ریویو ۲۰۰۷-۲۰۰۳'، ص ۳۸

۱۶۔ باطل کے متبادل فراہم کرنے کے بجائے اسے رد کردینے کا سبق اشتراکیوں سے بھی سیکھا جاسکتا ہے جو اپنے نظریئے کے مطابق جب مارکیٹ کو بطور ایک 'برائی' پہچان لیتے ہیں تو اسکا کوئی متبادل فراہم نہیں کرتے بلکہ اسے ختم کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں

۱۷۔ قرآنی آیت قل جاء الحق وزهق الباطل (کہو دو کہ حق آ گیا اور باطل مٹ گیا) اس حقیقت کی طرف اشارہ کررہی ہے کہ باطل کا خاتمہ قیام اسلام کیلئے لازم ہے

۱۸۔ یہ نکتہ ماہنامہ ساحل کراچی سے حاصل کیا گیا ہے